# شرق اوسط میں

# کیا دیکھا؟

از

سید ابو الحسن علی ندوی

"مدیر تعمیر" لکھنؤ

ترجمہ

مشیر الحق بجرو آبادی

مکتبۂ تعلیمات اسلام لکھنؤ
۳۸۔ امین آباد پارک

www.abulhasanalinadwi.org

# مندرجات

☆

- پیش لفظ .......... ۵
- شرق اوسط کے غیر متوقع مناظر .......... ۹
- قاہرہ میں چند دن .......... ۲۱
- دمشق کی یاد .......... ۴۳
- دمشق سے حلب تک .......... ۵۷
- ارض مقدس میں .......... ۷۳
- گہوارۂ اسلام میں .......... ۸۳


ـــــ ـــــ


- پہلی اشاعت .......... ایک ہزار
- تاریخ اشاعت .......... جنوری [illegible]
- قیمت مجلد ... [illegible] ... ایک روپیہ بارہ آنے


www.abulhasanalinadwi.org

بسم اللہ الرحمن الرحیم

# پیش لفظ

پیش نظر رسالہ ان تقریروں کا مجموعہ ہے، جو گزشتہ سال آل انڈیا ریڈیو دہلی سے شرق اوسط کے لئے خاص طور پر نشر کی گئی تھیں، اب ان کا ترجمہ آل انڈیا ریڈیو کی اجازت سے شکریہ کے ساتھ اُردو میں شائع کیا جا رہا ہے۔

یہ تقریریں عربی میں تھیں اور ان کے سُننے والے زیادہ تر عرب تھے اس لئے قدرتاً ان میں وہ تفصیلات و معلومات نہیں ہیں جن کی دوسرے ملک کے باشندوں کو ضرورت ہوتی ہے، نہ ریڈیو کی تقریروں میں سفرنامہ بیان کرنے کی گنجائش ہوتی ہے۔ ان میں عام نقوش و تاثرات، اجمالی تعارف اور ان ملکوں کی صرف ایک جھلک دکھائی گئی ہے جن میں

www.abulhasanalinadwi.org

مقرر نے کچھ عرصہ قیام کیا۔ پھر بھی پڑھنے والوں کو بہت سی کام کی باتیں ہاتھ آئیں گی اور ان ملکوں کی دینی، اخلاقی، تعلیمی حالت، ادبی و علمی ترقیوں اور وہاں کی مجلسی زندگی، اور اہل ملک کے اخلاق و عادات کا اندازہ ہوگا اور بہت سی اہم علمی و دینی شخصیتوں اور تعلیمی و سیاسی اداروں سے پہلی بار تعارف ہوگا، ہندستان میں شرق اوسط اور عرب ممالک سے جو عام بے خبری اور بے تعلقی ہے اور وہاں کی زندگی، رجحانات، اداروں اور شخصیتوں سے جو مکمل لاعلمی ہے، اس کے لئے اس مجموعہ کی اشاعت انشاءاللہ مفید ہوگی اور ان ملکوں کا تصور پیدا کرنے اور وہاں کی زندگی کا تعارف کرانے میں مدد دے گی، پوری تفصیلات اور وہاں کا صحیح نقشہ پیش کرنے کے لئے مفصل ڈائری کی اشاعت کی ضرورت ہے جو کئی سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور مصر، سوڈان، شام، شرق اردن اور فلسطین کا مکمل سفر نامہ اور روزنامچہ، نیز وہاں کی زندگی، معاشرت، سیاست اور تعلیم کا ابھرا ہوا خاکہ ہے۔

پیش نظر تقریروں میں اس کا لحاظ کیا گیا ہے کہ تقریریں خشک اور سننے والوں کے لئے بار نہ ہوں، اس لئے ان کو شگفتہ



زبان اور دلچسپ انداز بیان میں پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نیز تقریروں کو "بے جان" اور "بے ضمیر" بنانے کی قصداً کوشش نہیں کی گئی ہے، اس لئے ان تقریروں اور تبصروں میں مقرر کا قلبی تاثر، مسرت اور تعجب، عقیدت اور محبت، صاف جھلکتی ہے۔ اس نے سامعین کو متاثر کرنے اور محکمہ کو مطمئن کرنے کے لئے اپنے قلب اور ضمیر سے کوئی بے وفائی نہیں کی، اس لئے کہ سامعین اور محکمہ کی رفاقت بہت عارضی تھی اور قلب و ضمیر کے ساتھ زندگی بھر رہنا ہے۔ نیز وہ انسان زندہ انسان نہیں جو اپنے قلبی تاثرات اور کیفیات کو کبھی ظاہر نہ کرے اور جس کے لئے محبت، تعریف اور تعجب کا کوئی موقع ہی نہ آئے۔ ایسی روداد سفر جو ان کیفیات سے یکسر خالی ہو ایک مصنوعی روداد ہے، جس میں کوئی زندگی اور دلچسپی نہیں۔

ان عربی تقریروں کے ترجمہ کی خدمت مولوی مشیر الحق صاحب بحری آبادی نے انجام دی ہے اور انھوں نے اس کو اردو میں ڈھالنے اور ہندستان کے ذوق سے قریب کرنے کی پوری کوشش کی ہے۔ احتیاطاً میں نے اس پر نظر ثانی

www.abulhasanalinadwi.org

کرلی ہے اور جہاں ضروری سمجھا وہاں اضافہ اور ترمیم میں کوئی حرج نہیں سمجھا، حاشیہ میں ان شخصیتوں کا اجمالی تعارف کرا دیا گیا ہے جن کے نام خصوصیت کے ساتھ ان تقریروں میں آئے ہیں۔

اس مجموعہ میں دو مضامین "دمشق سے حلب تک" اور "ارض مقدس میں" کا اضافہ کیا گیا ہے جو ریڈیائی تقریروں کے علاوہ ہیں۔

۱۸- دسمبر ۵۲ء

ابوالحسن علی ندوی
ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ

# شرق اوسط کے غیر متوقع مناظر

www.abulhasanalinadwi.org

جب میں نے شرق اوسط کے سفر کا ارادہ کیا تو مجھے پورا یقین تھا کہ میں وہاں کے لئے اجنبی نہیں ہوں۔ کیونکہ میں وہاں جانے سے پہلے وہاں کے اخبارات اور کتابوں، اس کے ادب و فلسفہ اور اس کی زبان و لغت کے ذریعہ اس سے اچھی طرح واقف ہو چکا تھا، اسی وجہ سے مجھے اپنے اوپر پورا اطمینان تھا اور میں سمجھتا تھا کہ اس سفر میں مجھے نہ تو کسی نئی چیز سے واسطہ پڑیگا اور نہ میرے لئے کوئی چیز "نیا انکشاف" ثابت ہوگی، لیکن مجھے اسکا اعتراف ہے کہ اس سفر میں مجھے بعض ایسے مناظر سے دوچار ہونا پڑا جو میرے لئے بالکل نئے تھے اور وہاں کی زندگی کے بعض ایسے پہلو نظر کے سامنے آئے جن کی توقع نہ تھی۔

میں سمجھتا تھا کہ شرق اوسط کے ممالک یورپ و ایشیا کی گذرگاہ ہیں، یہ مشرق بعید اور یورپ کے درمیان ایک ایسے پل کا کام دیتے ہیں جس سے نئی ایجادات، نئی تہذیبیں، نئے سیاسی نظام اور نئے افکار و نظریات گزر کر

www.abulhasanalinadwi.org

آگے پہنچتے ہیں، اسی وجہ سے مجھے یقین تھا کہ ان ملکوں پر ان کے اس جائے وقوع اور سیاسی حالات کی وجہ سے بڑا اثر پڑچکا ہوگا اور انکی دنیا بدل چکی ہوگی، شرقیت مردہ ہوچکی ہوگی، پرانے رشتے ٹوٹ چکے ہوں گے، مشرق و مغرب کے حجابات اُٹھ چکے ہوں گے لیکن مجھے یہ دیکھ کر حیرت بھی ہوئی اور مسرت بھی کہ مشرق اوسط کا عربی گھرانا جو بحر احمر اور بحر روم کے کنارے پھیلا ہوا ہے، وہ اس اسلام کو ابھی تک سینہ سے لگائے ہوئے ہے جس کو وہ اپنے وطن (جزیرۃ العرب) سے لیکر چلا تھا، شرق اوسط کے عربی ممالک کو اس دین اور عربی زبان پر اب بھی فخر ہے اور وہ اسے چھوڑنے کو کسی قیمت پر تیار نہیں، وہ اب بھی جزیرۂ عرب کی طرف نسبت کرنے میں عزت محسوس کرتے ہیں، شرق اوسط اپنی نئی زندگی کی تاریخ اس صبح صادق سے شروع کرتا ہے جو غار حرا سے طلوع ہوئی تھی۔

شرق اوسط کے ممالک نے عربی ادب، عربی ثقافت اور عربی زبان کو اس طرح اپنایا ہے اور پروان چڑھایا ہے اور اس کے ذخیرہ میں ایسا قیمتی اضافہ کیا ہے کہ عرب کے جاہلی شعراء اور قرن اول کے ادباء اس کا تصور بھی نہیں کرسکتے تھے نہ دوسرے ممالک کے ان علماء کو اس کا اندازہ ہوسکتا ہے جو ان ممالک کی تازہ مطبوعات اور نشر و اشاعت کی رفتار سے ناواقف ہیں واقعہ یہ ہے کہ ان ممالک نے عربی زبان کے ساتھ پوری وفاداری برتی ہے، اسلامیت کو اپنائے رکھا ہے اور دینی ثقافت کو کلیجے سے لگائے ہوئے ہیں۔



دنیا کے ہنگاموں سے الگ تھلگ رہنے والے ممالک اگر مغربی اثرات سے محفوظ رہیں تو اسمیں تعجب کی کوئی بات نہیں، نہ اس قوم کی تعریف کیجاسکتی ہے جو دنیا سے الگ، پہاڑوں میں گھری ہوئی ایک گوشہ میں اپنی قدیم روایات کو لئے بیٹھی ہے، ہاں اس قوم پر حیرت اور تعجب ضرور ہوگا جو چوراہے پر بسی ہو، دوسری قوموں سے میل جول رکھتی ہو اور پھر بھی اپنی روایات کو باقی رکھے، زبان کو زندہ رکھے، اسلوب بیان کو یاد رکھے، لب و لہجہ میں فرق نہ آنے دے مشرقی روح باقی رہے اور نفسیاتی خصوصیات اور دینی عقائد زندہ رہیں ——

بلاشبہ قرآن مجید کے معجزوں میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے اور اس بات کا کھلا ہوا ثبوت ہے کہ عرب قوم دوسری قوموں اور تہذیبوں کو اپنے میں جذب کرسکتی ہے لیکن خود کسی میں گم نہیں ہوسکتی۔

میں نے عالم عربی میں نئی بیداری کے آثار جگہ جگہ دیکھے، ایک نئے اور بہتر دور کی علامتیں جگہ جگہ اُبھر رہی ہیں، رائے عامہ بیدار ہورہی ہے، دلوں میں غلط نظام عالم اور دنیا کے بگڑے ہوئے حالات سے بے اطمینانی اور بیزاری عام ہے۔ مغربی تہذیب و تمدن اور مغربی اقدار کا ردعمل شروع ہوچکا ہے، مجھے مشرق اوسط میں اس علمی اور فکری بغاوت کے آثار جابجا نظر آئے جو ہمیشہ بڑی بڑی اصلاحات، اہم اور صالح انقلابات کا پیش خیمہ

www.abulhasanalinadwi.org

ہوتے ہیں۔

شرق عربی آج مغرب کی اس تولیت و نگرانی سے بغاوت پر آمادہ ہے جو بغیر اس کی مرضی کے اس پر مسلط کر دی گئی تھی، اس میں خودداری اور احساس برتری پیدا ہو رہا ہے اور وہ اپنے کو آزاد اور اقوام عالم کی برادری کا ایک باعزت اور اہم رکن سمجھتا ہے، اس کا اعتقاد ہے کہ اس کے پاس وہ دین ہے جس پر دنیا کی فلاح کا دارومدار ہے

| | |
|---|---|
| یھدی بہ اللہ من اتبع | اس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ ان |
| رضوانہ سبل السلام | لوگوں کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے جو اسکی |
| ویخرجھم من الظلمت الی | رضاجوئی میں لگے رہتے ہیں اور انہیں |
| النور باذنہ ویھدیھم | تاریکیوں سے روشنی کی طرف لاتا ہے |
| الیٰ صراط مستقیم | پھر انہیں سیدھی راہ پر لگا دیتا ہے۔ |

شرق اوسط اپنے کو اس پیغام کا حامل سمجھتا ہے جو جاں بلب انسانیت کی مسیحائی کر سکتا ہے اور رنگ اور قومیت، نسل اور وطنیت کے اختلاف سے بالاتر ہو کر دنیا والوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ اپنے کو ایسے پیغمبر کا جانشین اور خادم سمجھتا ہے جو سارے انسانوں کی طرف مبعوث ہوا تھا۔

| | |
|---|---|
| یامرھم بالمعروف | ان کو بھلائی کا حکم کرتا ہے اور |
| وینھاھم عن المنکر و | ان کو نامعقول باتوں سے روکتا ہے |



| | |
|---|---|
| یحل لھم الطیبت ویحرم | اور انکے واسطے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے |
| علیھم الخبائث ویضع عنھم | اور ان پر ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے، |
| اصرھم والاغلل التی | اور ان پر سے وہ بوجھ اور طوق اتارتا |
| کانت علیھم | ہے جو ان پر تھے۔ |

شرق اوسط کے باشندوں میں یہ خیال عام ہوتا جا رہا ہے کہ دنیا کی سب سے بڑی بدقسمتی یہ ہے کہ اس کی قیادت اس مشرق کے ہاتھوں سے نکل کر جس کے پاس روحانیت، رحمت و محبت اور سکون قلب کی دولت تھی اس مغرب کے ہاتھوں میں پہنچ گئی ہے جو عرصہ ہوا روحانیت اور رحم و محبت کی دولت اور اعلیٰ انسانی جذبات سے محروم ہو چکا ہے اور شدید قسم کی مادہ پرستی کا بیمار ہے جو اپنے مادی مقاصد کے حصول میں کسی نرمی اور کسی رعایت کا قائل نہیں

سب سے زیادہ اطمینان بخش اور امید افزا بات یہ ہے کہ اس دور میں عالم عربی میں نئے ایمان کا ظہور نظر آتا ہے، ان عربی ممالک کو نئے دین کی ضرورت تو کبھی بھی نہیں تھی، لیکن ''نئے ایمان'' کی ضرورت ضرور تھی، ماضی میں ان کا ایمان کافی کمزور ہو چکا تھا؛ اسی وجہ سے مشرق نے اپنی معنوی قوت کھو دی تھی اور اس کو دنیا کی روحانی قیادت اور سیاسی سیادت سے دستبردار ہونا پڑا تھا، پچھلے دور میں نئے نئے فتنوں نے ملک میں سر اٹھایا، نئی نئی

دعوتیں اور تحریکیں پیدا ہوگئیں، نئے نئے مصائب و مشکلات کا سامنا ہوا دنیا کی کوئی قوم کمزور ایمان کے ساتھ ان نئے نئے فتنوں، تخریبی دعوتوں اور تحریکوں اور دلفریب و سحر انگیز مادی ترغیبات سے نپٹ نہیں سکتی، کمزور ایمان کسی ٹکر کو سہار نہیں سکتا نہ نفسانی خواہشات، شخصی اغراض اور زندگی کی مشکلات سے عہدہ برآ ہو سکتا ہے، نہ کسی تازہ دم اور پُرجوش دعوت و تحریک کا مقابلہ کر سکتا ہے، وہ تو ایک مٹتی ہوئی بوسیدہ عمارت ہے جو اپنے وجود کو برقرار نہیں رکھ سکتی، غیر معمولی حالات کے لئے غیر معمولی ایمانی طاقت اور یقین کی ضرورت ہے اور خدا کا شکر ہے کہ عالم اسلام میں یہ ایمان ابھر رہا ہے

اس سفر میں مجھے جہاں جہاں جانے کا اتفاق ہوا میں نے نئے ایمان کی جھلک دیکھی، آبادی کے اس حصہ میں دین کے بارے میں لوگوں کا زاویۂ نگاہ بدل رہا ہے ـــــ کچھ دن پہلے لوگ اسلام کو ایک تہذیبی ترکہ یا آثار قدیمہ کی حیثیت سے دیکھتے تھے یا اُسے ایک ایسا درخت سمجھتے تھے جس کی اُٹھان ختم ہو چکی ہو اور اب وہ بار آور نہ رہا ہو لیکن اب لوگ اسلام کو اس چاری چشمہ کی حیثیت سے دیکھتے ہیں جس سے قوت اور زندگی ملتی ہے ـــــ لوگ اسلام کو ایک ایسا روشن سورج سمجھنے لگے ہیں جس سے ہر وقت اور ہر جگہ نور اور حرارت حاصل ہو سکتی ـــــ اور یہ کون نہیں جانتا کہ سورج نہ پرانا ہے نہ نیا۔ یہ تو انسان کی ایک دائمی حاجت ہے اور



ہر جگہ ہر وقت روشنی اور زندگی کا پیغامبر ہے۔

جو لوگ پہلے دین کو انسان کا ذاتی معاملہ سمجھتے تھے جس کا عام زندگی پر کوئی اثر نہیں، نہ سیاست و معاشرت کے لئے وہ کوئی پیغام رکھتا ہے نہ اُسے حکومت اور قانون سازی میں کوئی دخل ہے، وہی لوگ اب اُسے ایک نظام زندگی اور طریق فکر کی حیثیت سے دیکھنے لگے ہیں، وہ اب اسلام ہی پر انسانی سعادت کا دارومدار سمجھتے ہیں اور اُسی کو نئی نئی مشکلات کا حل جانتے ہیں۔

شرق اوسط میں جس چیز نے مجھے سب سے زیادہ مسرور کیا وہ یہ تھی کہ یہ نیا طاقتور ایمان نوجوانوں میں نمایاں ہے، میں نے نئی نسل کو ایمان اور دینی غیرت کے بارے میں پرانی نسل سے کچھ بڑھا ہی ہوا پایا، نوجوان دین کو ایک نعمت غیر مترقبہ اور قیمتی تحفہ سمجھ کر قبول کرتے ہیں، اسلام کے پانے میں وہ اتنی ہی خوشی محسوس کرتے ہیں جتنی پرانے زمانہ میں نئے نئے ملکوں کی تلاش میں نکلے ہوئے سیاح کو ہزاروں مصیبتیں سہنے کے بعد کوئی نئی سرزمین دیکھ کر محسوس ہوتی تھی، وہ سیاح جس طرح پچھلے تمام مصائب کو بھول کر اپنی کامیابی اور کامرانی کے نشہ میں چور ہو جاتا تھا اور جس چیز کا اس نے اکتشاف کیا ہوتا اُسے اپنی تمام چیزوں سے زیادہ قیمتی سمجھتا تھا بالکل اسی طرح میں نے اس نئی نسل میں اخلاقی جرأت دین اور اسکی تعلیم پر مکمل اعتماد، اسلام کی تاریخی شخصیات سے دلچسپی نظام صالح کی فکر اور اسلام کے لئے قربانی اور ایثار کی روح پائی۔ میں نے

www.abulhasanalinadwi.org

ان کے اندر نظام باطل سے بیزاری، عصر حاضر کی ادبیت کے خلاف بغاوت اور سوسائٹی کے غلط اقدار کے خلاف وہ جذبہ پایا جو پرانی نسل میں ناپید ہے۔

شرق اوسط کے اس سفر میں مجھے بارہا بڑے بڑے شہروں کے نوجوانوں کے اجتماعات میں شرکت کا اتفاق ہوا، اپنی کہی، ان کی سُنی، آزادانہ گفتگو میں حصہ لیا، میں نے جو کچھ دیکھا، جو کچھ سُنا اس سے مسرور ہوا اور میں نے کہا "شرق اوسط کو اسی نسل کا انتظار تھا، یہی پود مشرق میں نئے دور کا آغاز کریگی اور اس کا کھویا ہوا مقام حاصل کرے گی۔"

---

میں ابتدا سے عربی زبان کی وسعت اور عظمت کا قائل تھا میرے اعتقاد کو کوئی چیز متزلزل نہیں کر سکی تھی، لیکن میں ہندستان کے علماء سے اکثر سُنا کرتا تھا کہ عرب ممالک میں صحیح اور فصیح عربی زبان ختم ہو چکی ہے۔ اس کی جگہ عامی اور مقامی زبانوں نے لے لی ہے، اب کوئی فصیح عربی میں اظہار خیال اور تقریر و تحریر پر قادر نہیں، میں اس بات کو اپنے عرب بھائیوں کے لئے ایک عار سمجھتا تھا، میرا خیال تھا اور اب بھی ہے کہ جو قوم اپنی زبان اور لٹریچر کی حفاظت نہیں کر سکتی، وہ اپنی آزادی، تہذیب و تمدن اور مذہب کو بھی برقرار نہیں رکھ سکتی، لیکن وہاں پہنچ کر عربی زبان کی وسعت، اس کا لوچ اور اس کی زمانہ کے ساتھ چلنے اور ہر طرح کی



ضروریات پورا کرنے کی صلاحیت کو دیکھ کر میں حیران رہ گیا۔

میں نے عرب ادباء اور اہل قلم کو فصیح عربی میں ہر موضوع پر بڑی خوبی سے اظہار خیال کرتے ہوئے پایا، میں نے دیکھا کہ فصیح عربی زبان خطابت، سیاست، صحافت اور دستوری مباحثوں کی زبان ہے، اشاعت و طباعت کی برق رفتاری اور عمومیت نے عربی زبان کے اُن انمول اور پوشیدہ جواہرات کو عام لوگوں کے سامنے ڈال دیا ہے، جن تک گزشتہ زمانہ میں کسی بڑے ادیب ہی کی رسائی ہو سکتی تھی اب وہ محاورات، تراکیب اور تعبیرات جو کبھی کسی بڑے انشاپرداز ہی کے قلم سے نکلتی تھیں زبانوں پر چڑھ چکی ہیں، اور نوک قلم رہتی ہیں۔

شرق اوسط میں آج کا ادیب اور اخبار نویس ایک مہینہ میں جتنا لکھتا ہے کہا جا سکتا ہے کہ عہد عباسی کا ایک ادیب اتنا ایک سال میں بھی نہیں لکھتا تھا۔

میری تمنا ہے کہ وہ دن جلد آئے جس دن فصیح عربی زبان گھر، بازار، ہوٹل، تفریح گاہ اور ہر جگہ عامی زبان کی جگہ رائج ہو جائے۔ یقیناً وہ دن عربی زبان کے لئے مبارک اور عربی قوم کے لئے باعث فخر ہوگا۔

www.abulhasanalinadwi.org

میرے لئے یہ باتیں غیر متوقع تھیں، بعض چیزوں کا مجھے علم تھا مگر اس کا اندازہ نہ تھا کہ وہ اس حد پر ہوں گی، جس حد پر میں نے ان کو اس سفر میں دیکھا۔ میری طرح بہت سے ان لوگوں کے لئے یہ باتیں نئی اور باعث مسرت ہوں گی جو شرق اوسط کا نیا نیا سفر کریں گے۔ اس شخص سے میں معذرت کرتا ہوں جس کے لئے ان واقعات و معلومات میں کوئی ندرت نہیں ہے۔

# قاہرہ میں چند دن

www.abulhasanalinadwi.org

## قاہرہ

:- براعظم افریقہ کا سب سے بڑا شہر ہے اسوقت اسکی اور اسکے ملحقات (GREATER CAIRO) کی آبادی پچیس لاکھ ہے، رومیوں کے زمانہ میں بھی بڑا شہر تھا، مسلمانوں نے اسکے پہلو میں اپنا شہر آباد کیا، موجودہ شہر قاہرہ "فاطمی خلیفہ" کے زمانہ کا ہے جس کو اس کے قائد جوہر صقلی نے آباد کیا۔

قبل از اسلام کی یادگاروں میں سب سے قدیم اہرام مصر ہیں جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے ہیں۔ مسلمانوں کے آثار میں سب سے اہم جامع عمرو بن العاص اور جامع ازہر ہے جو دنیا کی سب سے قدیم اور سب سے عظیم درسگاہ ہے، جامع ابن طولون مدرسہ منصور قلاؤون، مسجد قلعہ اور متعدد تاریخی مساجد ہیں

قاہرہ عالم عربی کا دماغ ہے۔ شرق اوسط کی علمی، ادبی، ذہنی قیادت و امامت اسکے ہاتھ میں ہے عظیم الشان مطابع، کثیر الاشاعت اخبارات و رسائل، صاحب طرز انشاپرداز اور بین الاقوامی شہرت کے مصنفین کا شہر ہے۔

خوش اخلاقی، گرم جوشی اور زندہ دلی اہل مصر کی نمایاں خصوصیات ہیں، طبیعتوں میں سادگی اور محبت ہے، مغربیت اور تفریحات کا رجحان بھی بہت ہے دینی تحریکیں اور بیدینی کی تحریکات دونوں طاقتور ہیں، خیر و شر میں کسی کی کمی نہیں، بیداری تعلیم اور مطالعہ کا شوق اور کارکردگی کی اچھی خاصی صلاحیت ہے عربی قومیت کا احساس کمزور اور اتحاد اسلامی کا رجحان غالب ہے۔



۱۲- ربیع الثانی ۱۳۷۰ھ کو میں قاہرہ پہنچا، یہاں مہینہ دو مہینہ سے زیادہ قیام کا ارادہ نہ تھا لیکن وہاں پہنچکر خلاف توقع قیام بہت طویل ہو گیا اور "آج کل" میں پانچ ماہ سے زیادہ گزر گئے۔

اگر عزم سفر سے پہلے مجھ سے یہ کہا جاتا کہ تمہیں مصر میں چھ ماہ قیام کرنا ہوگا تو شاید اس سفر پر میں راضی نہ ہوتا، کیونکہ میرے سامنے شرق اوسط کا طویل سفر تھا، اگر اپنے پورے پروگرام کو سامنے رکھ کر ریاضی کے اصول سے مدد لیتا تو شاید مصر کے لئے دو تین ہفتے نکلتے لیکن مجھے وقت کی کفایت شعاری میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا، دنیا کی ہر چیز ریاضی کے قوانین کی تابع نہیں ہو سکتی اور یہی بہتر بھی ہے، ورنہ اگر پوری زندگی میں ریاضی ہی کا دور دورہ ہو تو زندگی اجیرن ہو جائے لوگ اس سے تنگ آجائیں اور زندگی مشین کی ایک حرکت بن کر رہ جائے جس میں نہ کوئی جدت ہو نہ اچھوتا پن، نہ کوئی دلچسپی ہو نہ تازگی، بغیر دل اور جذبہ کے ایک غیر شعوری عمل ــــ لیکن

www.abulhasanalinadwi.org

اکثر و بیشتر دل اور جذبات، عقل، وضعی قوانین اور لگے بندھے نظام کے خلاف بغاوت کر کے دنیا کو از سر نو زندگی اور تازگی بخش دیتے ہیں

مصر جانے سے پہلے بھی میں اپنی زندگی کا بڑا حصہ مصر کے ادب و تمدن کے مطالعہ میں گزار چکا ہوں، وہاں کے علماء و ادبا اور مصنفین کے درمیان ذہنی طور پر زندگی کے کئی قیمتی برس گزر چکے ہیں، اب اگر میں مصر سے اپنی ادبی ثقافتی اور دینی واقفیت کے لحاظ سے غور کروں تو گویا میں کسی خاندان کا ایک ایسا فرد ہوا جو بُعد مکانی کے باوجود اپنے خاندان کے افراد سے دور نہیں ہے، خواہ درمیان میں بڑے بڑے پہاڑ ہوں یا لمبے چوڑے سمندر۔ ع

بعد منزل نہ شود در سفر روحانی

اس کے تصورات اور اس کے خیالی نقشے کبھی واقعات اور حقیقت کے مطابق ہوتے ہیں اور کبھی غیر مطابق۔

لیکن میں اپنی قدیم واقفیت و انسیت اور مضبوط ادبی تعلق کے باوجود مصر کے لئے بہرحال ایک نووارد تھا، مجھ کو اس سے قبل یہاں آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا، بہت سے غائبانہ دوستوں کے درمیان بھی میں اجنبی تھا، میں نے کبھی ان کو دیکھا تھا نہ انھوں نے مجھ کو۔ چنانچہ مجھ میں ایک طرف دوستوں کا سا اُنس اور واقفیت تھی، دوسری طرف پردیسیوں سا تجسس اور شوق معلومات۔ میرا یہ سفر ایک نئے انداز کا تھا، کچھ متوقع، کچھ غیر متوقع، کچھ سمجھی بوجھی ہوئی اور



کچھ بغیر جانی پہچانی چیزیں سامنے آتی تھیں، جس کی بنا پر میں مصر سے جو کچھ حاصل کر سکا وہ اس شخص کی نسبت کہیں زیادہ ہے جو مصر کی گود میں پلا ہوا اور اس کے باشندوں کے درمیان پروان چڑھا ہو۔ کیونکہ اس کے واسطے یہاں کوئی چیز نئی نہیں ہو بلکہ سب کچھ وہی ہے جسے اس نے ہمیشہ دیکھا اور اس سے مانوس رہا ہے، اس لئے اس کو کوئی دلچسپ چیز نظر نہیں آتی بلکہ بسا اوقات یہ بات اس کو علم کے دھوکے میں مبتلا کر کے صحیح واقفیت اور تحقیق سے محروم کر دیتی ہے، وہ اپنی سطحی واقفیت پر نازاں اور محض وہاں کا باشندہ ہونے پر مطمئن ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے ملک و قوم کی اکثر چیزوں سے ناواقف رہتا ہے۔

اسی طرح میری حیثیت اس نووارد سے مختلف تھی جسے اس خطۂ زمین سے کبھی کسی قسم کا تعلق نہ رہا ہو، وہ یہاں کے ادبی و فکری تغیرات سے بالکل بے تعلق ہو اور یہاں کے ادباء و مصنفین کے طبقات اور مختلف مکاتب فکر و ادب سے ناواقف ہو۔ ایسا شخص محض ایک مسافر کی طرح گزر جائے گا، اُسے یہاں کی شخصیات اور یہاں کی زندگی میں کوئی دلکشی نہ محسوس ہوگی۔

مختلف قسم کی دینی، ادبی اور علمی دلچسپیاں مجھے اپنے خاندانی ورثہ میں ملی تھیں۔ میں نے جس خاندان میں پرورش پائی اس میں شعر و ادب، علم و تاریخ اور بحث و تحقیق کا خاصہ مذاق تھا، لوگ مختلف زبانوں سے واقفیت رکھتے تھے، میں نے جس درسگاہ میں پڑھا وہاں بھی یہ سب ذوق اور دلچسپیاں موجود

www.abulhasanalinadwi.org

تھیں۔ میں نے جس ماحول میں ہوش سنبھالا وہاں بھی ان سب کا چرچا تھا، پھر یہ کیسے ممکن تھا کہ ایسے ماحول اور ایسی درسگاہ کا طالب علم ان مختلف النوع خصوصیات کو اپنے اندر نہ سموئے، یہی وجہ ہے کہ ابتدا ہی سے مجھے شعر و ادب، تاریخ و علوم اور دین و اخلاق سے شغف اور علمی و ادبی شخصیتوں سے گہرا تعلق رہا ہے۔

خوش قسمتی سے قاہرہ ان تمام مختلف تہذیبوں اور متنوع دلچسپیوں کا سنگم ہے، یہاں ادیب عالم دین کے ساتھ، شاعر محقق کے ساتھ، واعظ مورخ کے ساتھ، لیڈر مبلغ کے ساتھ مجتمع نظر آتا ہے، یہاں اگر ایک طرف دنیا کی سب سے بڑی اور پرانی دینی درسگاہ (جامعہ ازہر) ہے تو دوسری طرف مشرق اوسط کی سب سے بڑی عصری یونی ورسٹی (جامعہ فواد) ہے، ایک طرف دنیائے اسلام کی سب سے زیادہ طاقتور اسلامی تحریکیں سرگرم عمل ہیں تو دوسری طرف ترقی پسندی اور اخلاق سے بغاوت کی پرجوش دعوتیں ہیں جو ہر طرح کے نظاموں اور ہر قسم کے اداروں کو درہم برہم کر دینے پر تلی ہوئی ہیں، کہیں فقہی نکتہ سنجیاں ہیں تو کہیں احادیث نبوی پر ایسی بینظیر تصانیف جن سے پورا عالم اسلام استفادہ کر رہا ہے، کہیں ادبی سرگرمیاں ہیں جو پوری عربی دنیا کو ذہنی غذا بخش رہی ہیں، تو کہیں ماہرین لغت کی ایک جماعت مصروف کار ہے، کہیں آزادی فکر و رائے کے دلدادہ انتشار پرداز ہر نقش کہن کو مٹانے اور ہر طرح کی پابندی سے آزاد ہونے کی فکر میں لگے ہوئے ہیں، کہیں ایسے کتب خانے



ملتے ہیں جن میں قدیم عربی کتابوں کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے تو کہیں ایسے پریس ہیں جو شعر و ادب کے ہر رطب و یابس کو دنیا کے سامنے پیش کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ اور جن کا صالح و فاسد لٹریچر تمام عربی ممالک پر چھاتا چلا جا رہا ہے۔

مصر اپنے اندر صرف علم و ادب ہی کی رنگینیوں کو نہیں رکھتا، بلکہ زندگی، تمدن اور اجتماع کے متضاد رنگ بھی اس کے اندر ہیں، یہاں تمدن اور زندگی کا وہ رنگ بھی نظر آتا ہے جس سے قدیم اسلامی دار السلطنتوں کی یاد تازہ ہو جاتی ہے اور مغربیت کا وہ رنگ بھی اچانک اس طرح نظروں کے سامنے آجاتا ہے کہ آدمی اپنے کو کسی مشرقی اسلامی دار السلطنت اور براعظم افریقہ کے بجائے یورپ و امریکہ کے کسی شہر میں محسوس کرتا ہے۔ یہاں مصر قدیم[1] کے پہلو بہ پہلو مصر جدید[2] کا وجود ہے۔

اس حیثیت سے مصر میں میرا چند ماہ کا قیام گویا علم و ادب، شعر و مطالعہ، دین و اجتماع قدیم و جدید اور مشرقی و مغربی دنیا کی ایک سیاحت تھی جس میں میں نے ہر مکتب خیال، ہر طرز فکر اور ہر تحریک و دعوت کے افراد سے ملنے اور مصر کو اس کے اصلی رنگ میں دیکھنے کی کوشش کی۔

(۱) مصر القدیمہ (پرانا مصر) قاہرہ کا وہ حصہ ہے جہاں مسلمانوں نے صحابہ کرام کی قیادت میں نئے مصر کی داغ بیل ڈالی تھی، اس کو عرصہ تک فسطاط بھی کہا جاتا رہا ہے، حضرت عمرو بن العاص رضؓ کی مسجد وہاں اب تک یادگار ہے۔

(۲) قاہرہ کے متصل نیا شہر جس کو مصر الجدیدہ (نیا مصر) بھی کہتے ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

میں مختلف شخصیتوں سے ملا۔ بہت سی جگہوں کو دیکھا، شہروں اور دیہاتوں، تہواروں اور میلوں، یونی ورسٹیوں اور انجمنوں، بے تکلف دعوتوں اور پرخلوص ضیافتوں، ریلوں کی بھیڑ بھاڑ اور مساجد کے سکون، مدارس کی فضا اور بازار کی چہل پہل، غرض کہ ہر رنگ اور ہر گوشہ سے مصر اور وہاں کی زندگی کو سمجھنے کی کوشش کی۔

میں نے مصر کو صرف سُنا اور دیکھا ہی نہیں بلکہ جب تک وہاں رہا وہاں کی علمی و ادبی، اجتماعی و اسلامی زندگی میں شریک رہا، مصریوں کا ممنون کرم ہوں کہ انھوں نے میری باتیں توجہ سے سُنیں اور مجھے مختلف انجمنوں میں تقریریں کرنے اور مقالات سُنانے کا موقع دیا، مختلف اخبارات و رسائل نے میری تحریروں کو اپنے صفحات میں جگہ دی اور مہمان کی عزت افزائی اور میزبانی کا حق ادا کر دیا، یہ تمام چیزیں ان کی عالی ظرفی اور شرافت کا بین ثبوت ہیں۔

قاہرہ میں میرے جو دن گزرے، ان کے بارے میں سوچتا ہوں کہ کن دنوں کو منتخب کر کے انکی داستان سُناؤں، مصر کی زندگی ایک ضخیم کتاب ہے جسمیں مختلف فصول اور ابواب ہیں جنمیں علمی، ادبی اور دینی موضوعات ہیں، میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں اس پوری کتاب کو آپ کے سامنے پیش کر سکوں، ہاں چند دنوں کی آپ بیتی آپ کو سُناتا ہوں اور جن لوگوں سے میں ملا ان میں سے بعض اہم شخصیتوں اور چند قائدین فکر و خیال سے آپ کی ملاقات کراتا ہوں۔



## ۲

قاہرہ کی السکۃ الجدیدہ (نئی سڑک) کے رہنے والے کچھ دنوں سے چار نئے آدمیوں کو اپنی گلی میں آتے جاتے دیکھتے تھے، ان کا لباس ہندستانی تھا مگر ان کا چہرہ مہرہ عربوں سے ملتا جلتا تھا۔ یہ لوگ ایک ساتھ آتے جاتے تھے، ان کے درمیان ایک دُبلا پتلا متوسط قد کا نوجوان ہوا کرتا تھا، گلی والے دیکھتے تھے کہ وہ لوگ آپس میں اپنے ملک کی بولی میں بات چیت کرتے ہیں لیکن جوں ہی کوئی مصری دوست راستہ میں مل جاتا ہے تو اس سے بلا تکلف فصیح عربی میں گفتگو شروع ہو جاتی ہے۔

گلی والوں نے کئی مرتبہ ارادہ کیا کہ اس اجنبی جماعت کے بارے میں کسی سے کچھ دریافت کریں لیکن وہ یہ سوچ کر چُپ ہو رہے کہ یہ ایک فضول سا سوال ہے، کیونکہ مصر سیاحوں کا گھر ہے، قاہرہ مسافروں کا راستہ ہے، دُنیا کی قدیم ترین یونی ورسٹی ازہر قریب ہے، ہوسکتا ہے کہ طالب علم ہوں... ..... حاجی ہوں ..... سیاح ہوں .....

www.abulhasanalinadwi.org

وہ لوگ تقریباً ہر روز دیکھتے تھے کہ صاحب علم اساتذہ، بزرگ علماء، یونی ورسٹی کے نوجوان اور ازہر کے طلباء ان ہندی مہمانوں کو پوچھتے ہوئے آتے اور محلہ موسکی کی ایک عمارت کی دوسری منزل پر بلا تکلف چڑھ جاتے، وہ بہت دیر تک بیٹھے رہتے اور جب اُترتے تو انھیں مہمانوں کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے چلے جاتے، کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ وہ ہندستانی مہمان ان لوگوں کے ساتھ نیچے آتے اور ان کے ساتھ کہیں چلے جاتے۔

آخر روز روز کے دیکھنے والوں سے نہ رہا گیا، اُنھوں نے آنے جانے والوں میں کسی سے دریافت کیا۔ "یہ لوگ کون ہیں؟ کہاں سے آئے ہیں؟ کیوں آئے ہیں؟" اس نے بتایا ہندستانی مہمان ہیں، یہ لوگ دینی، علمی، ثقافتی دورہ پر نکلے ہیں اور مصر آئے ہیں۔ ان میں وہ جو دُبلا پتلا نوجوان ہے اسکی تو عربی میں متعدد تصانیف، مقالے اور رسالے ہیں جو توجہ سے پڑھے گئے ہیں"

یہ چاروں کے چاروں ہر روز شارع ازہر (AZHAR ROAD) سے جاتے، ان میں جو سب سے کمسن ساتھی[۱] تھا وہ اپنی نوٹ بک نکالتا اور اس دن جن لوگوں سے ملنے کا پروگرام ہوتا، اپنے ساتھیوں کو سناتا ان لوگوں میں مصر کی اونچی شخصیتیں ہوتیں، ماہرین تعلیم اور صاحب اسلوب ادباء

(۱) مولوی عبدالرشید ندوی



ہوتے، عالمی شہرت والے مؤلفین اور بین الاقوامی شہرت والے قائدین ہوتے۔ اس پروگرام میں اسلامی انجمنیں، علمی ادارے اور ادبی مجالس کے نام ہوتے۔

اس قسم کی ملاقاتیں وہاں ہر روز ہوتی تھیں، آئیے آپ کو ایک مجلس کی تصویر دکھائیں۔

---

ازہر کے طلباء اور یونیورسٹی کے نوجوان انجمن شبان المسلمین کے مرکز عام (صدر دفتر) کی طرف جو قاہرہ میں شارع الملکۃ پر واقع ہے جاتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ "ڈاکٹر عبدالحمید سعید ہال" سُرخ ترکی ٹوپیوں اور سفید براق عماموں سے بھر گیا ہے، سامنے والی کرسیوں پر مصر کی ممتاز مجلس علما کے بعض اہم ارکان، ازہر سے ملحقہ کالجوں اور اسکولوں کے اساتذہ اور اسلامی انجمنوں کے اراکین بیٹھے ہوئے ہیں۔ ازہر کے ایک عالم اُستاد احمد الشرباصی اُٹھتے ہیں اور چند مختصر ادبی جملوں میں آج کی مجلس کا مقصد بیان کرتے ہیں، وہ ہندی مہمانوں اور ہندستان کا تعارف کراتے ہوئے بتاتے ہیں کہ دین اور علم کی خدمت میں ہندستان کا بہت بڑا حصہ ہے وہ وہاں کے بعض اسلامی آثار اور پرانی کتابوں کا حوالہ دیکر بیٹھ جاتے ہیں اور دُبلا پتلا ہندستانی نوجوان اُٹھتا ہے وہ — "دُنیا دوراہے پر" — کے عنوان سے ایک تقریر کرتا ہے تقریر

اپنے موضوع کے اعتبار سے خشک ہے اور ایک تاریخی لکچر اور علمی مقالہ معلوم ہوتا ہے لیکن پھر بھی لوگ بڑے سکون اور دلچسپی کے ساتھ اس طویل تقریر کو سُن رہے ہیں۔

تقریر ختم ہونے کے بعد چار مختلف علمی حلقوں کے نمائندے اپنے سیر حاصل تبصرہ کرتے ہیں، ان تبصرہ کرنے والوں میں ایک اُستاد عبدالمتعال الصعیدی پروفیسر کلیۃ اللغۃ العربیہ، دوسرے شیخ محمد غزالی مصر کے مشہور اسلامی مؤلف، تیسرے مشہور ادیب عبدالمنعم خلاف عرب لیگ کے ایک کارکن اور چوتھے اُستاد احمد الشرباصی جامع ازہر کے ایک اُستاد اور ہندی نوجوان کے مخلص دوست ہیں۔

تبصروں کے بعد سامعین اس نوجوان خطیب سے مصافحہ کرتے ہیں اسے مبارک باد دیتے ہیں اور اس سے دوسرے مقالات و خطبوں کی فرمائش کرتے ہیں۔

چند دنوں بعد شبان المسلمین کے صدر اعلیٰ محمد صالح حرب[1] پاشا

(۱) اللواء محمد صالح حرب پاشا فوج کے ایک اعلیٰ افسر رہ چکے ہیں، بعض وزارتوں میں وہ وزیر جنگ تھے اب جمعیۃ الشبان المسلمین کے (جسکی شاخیں مصر و سوڈان میں پھیلی ہوئی ہیں) صدر اعلیٰ ہیں، اچھے مقرر اور پُرجوش مسلمان ہیں۔



ان ہندی نوجوانوں کے اعزاز میں انجمن کے مرکزی دفتر میں عصرانہ اور ایک جلسہ ترتیب دیتے ہیں، اس جلسہ میں بھی مصر کے چوٹی کے علماء، ازہر کے اساتذہ اور عالم اسلام کے گنے چنے لوگوں میں سے کچھ لوگ شرکت کرتے ہیں۔ مصر کی سیاحت کرنے والا ہندستانی نوجوان کھڑا ہوتا ہے اور معزز میزبانوں کے سامنے ـــــ "ہندستان میں دعوت اسلامی کی تاریخ ـــــ" پیش کرتا ہے۔

یہ وہ آئینہ ہے جس میں آپ مصر کی علمی مجلسوں اور مقالات کی محفلوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ اس آئینہ میں اس اخلاق کی جھلک دکھائی دے گی جو مصری میزبان اپنے مہمان سے برتتے ہیں۔

---

قاہرہ کی ایک مشہور سڑک پر ایک مغربی طرز کی خوبصورت عمارت میں یہ چاروں نوجوان داخل ہوتے ہیں۔ وہاں ایک ایسے شخص سے ملاقات ہوتی ہے جس کی عمر خاصی ہے اور مطالعہ و محنت نے اُسے بہت کمزور کر دیا ہے، لیکن بایں پیرانہ سالی اس کی ہمت جوان ہے، ابھی وہ خدمت و محنت سے کنارہ کش ہونے اور بڑھاپے کے آگے گھٹنے ٹیکنے پر تیار نہیں ہے!

www.abulhasanalinadwi.org

یہ صاحب فواد اوّل اکاڈیمی[1] کے صدر محترم احمد لطفی السید باشا[2] ہیں۔ آپ کا یہ نیاز مند اس معمّر صدر سے پوچھتا ہے۔

"کیا آپ موجودہ تعلیم کے اخلاقی نتائج سے مطمئن ہیں؟"

جواب ملتا ہے۔ "میں اس سے نا اُمید نہیں ہوں کیونکہ آج اخلاق پہلے کے مقابلہ میں بہتر اور ترقی پذیر ہیں"

ہندستانی نوجوان ان سے اس موضوع پر علم و تہذیب کے دائرہ میں رہ کر بحث کرتا ہے، یونی ورسٹیوں کی اس روش پر سخت نکتہ چینی کرتا ہے کہ اُنھوں نے اپنے تعلیمی اور تربیتی نظام سے اخلاقی عنصر کو عملاً خارج کر دیا ہے، آج کی درسگاہوں کے فضلاء کے "معلومات"

(۱) یہ اکاڈیمی جو مجمع فواد الاوّل للغۃ العربیہ کے نام سے موسوم ہے مصر کی سرکاری علمی اکاڈیمی ہے جس نے عربی زبان و ادب کی بڑی اہم خدمت انجام دی ہے علمی اصطلاحات کے تراجم، عامی زبان کے بجائے فصیح الفاظ کی ترویج اور لغوی و نحوی تحقیقات کے سلسلہ میں بڑا کام کیا ہے آج اسکے ارکان میں ممالک عربیہ اور یورپ کے ممتاز ماہرین زبان اور عربی کے ادیب ہیں

(۲) احمد لطفی السید باشا مصر کی مشہور تعلیمی شخصیتوں میں سے ہیں۔ مصر کی پہلی یونیورسٹی الجامعۃ المصریہ کے بانیوں میں اور اسکے پہلے وائس چانسلر ہیں اور بھی بڑے بڑے عہدوں پر رہ چکے ہیں، فلسفہ اور تعلیم ان کا خاص مضمون ہے۔



اور "اخلاق" میں کوئی توازن نہیں ہے۔ کچھ دیر تک دونوں خالص علمی اور مہذب فضا میں ایک دوسرے کو سمجھتے اور سمجھاتے رہے ــــ پھر نوجوان نے ایک دوسرا سوال سید جمال الدین افغانی کے بارے میں کیا اور ان کے بارے میں مفید معلومات حاصل کیں۔

یہ نقشہ خصوصیت کے ساتھ ان لوگوں کی نمائندگی کرتا ہے جو تعلیم گاہوں کے کرتا دھرتا ہیں اور ابتدائی زمانہ کے تعلیمی دَور اور ذہن کی یادگار ہیں۔

---

ایک ایسے وسیع کمرہ میں جو مشرقی اور مغربی طرز کی سجاوٹ کا آئینہ دار ہے۔ ڈاکٹر منصور فہمی باشا[1] ان ہندستانی مہمانوں اور ان کے مصری رفیق استاد زکی ابراہیم کا استقبال کرتے ہیں ــــ دَوران گفتگو میں ڈاکٹر صاحب بتاتے ہیں کہ نوجوانی میں انھیں دین اور مذہبی سوسائٹی سے خواہ مخواہ بیر اور زبردستی کی دشمنی تھی ــ مہمان ڈاکٹر صاحب سے

(۱) منصور فہمی پاشا جامعہ مصریہ کے سابق وائس چانسلر، فلسفہ جدید کے ایک عالم، اچھے عربی لکھنے والے اور سلجھے ہوئے مفکر آدمی ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

سوال کرتے ہیں کہ کس چیز نے ان کا دل اس غیر مذہبی رجحان سے ہٹا دیا اور کون سی چیز انھیں پھر اسلام کی طرف لے آئی، وہ کہتے ہیں "مغربی تہذیب کی ناکامی نے مجھ پر یہ اثر کیا۔ خاص طور پر مغربی تہذیب کے نتیجہ میں معاشرت و خاندان کی زندگی میں جو برہمی اور انتشار پیدا ہوا ہے اس سے میرا بہت دل اور مغربی تہذیب سے غیر مطمئن ہوا اس لئے کہ زندگی اور تمدن پر معاشرتی بے نظمی کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ واضح رہے کہ موجودہ تخریبی نظریات اور تحریکیں جن میں مشرق، مغرب کی نقالی کرنا چاہتا ہے۔ اس تہذیب کی پیداوار نہیں ہیں جس نے علمی تجربے اور مفید اکتشافات کئے اور زندگی کی نئی تنظیم کی بلکہ اس تہذیب کی پیداوار ہیں جو اپنا توازن کھو چکی ہے اور جس کو گھن لگ چکا ہے ——"

بات میں بات نکل آتی ہے اور ایک نہایت دلچسپ، مفید اور ٹھوس گفتگو دیر تک جاری رہتی ہے، دونوں گفتگو کرنے والے ایک دوسرے سے غائبانہ واقف تھے اور ایک دوسرے کی کتابیں پڑھ چکے تھے۔

جب مجلس ختم ہوئی اور مہمان وہاں سے اٹھے تو وہ ڈاکٹر صاحب کے مطالعہ، ان کی جنچی تلی باتوں اور ان کے اخلاق سے متاثر تھے۔



یہ نقشہ اس شخص کی نمائندگی کرتا ہے جو ادب، فلسفہ، نقید اور اپنے طویل تجربہ کی بنا پر صحیح دین اور پختہ ایمان تک پہنچا ہے

---

الادارۃ الثقافیہ[1] کے پائیں باغ میں ہندستانی مہمان ڈاکٹر احمد امین بک[2] سے ملتے ہیں، بہت دیر تک مختلف علمی، ادبی، اجتماعی اور دینی موضوع پر گفتگو رہتی ہے۔ وفد کا متکلم اظہار خیال کرتا ہے کہ "مشرقی ممالک اکثر و بیشتر نئے تمدن اور دینی روح کے جمع کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ جہاں کہیں ایسی کوشش کی گئی ہے وہاں نئے تمدن کے اثرات دین پر غالب آگئے ہیں ——" ڈاکٹر صاحب اس کا سبب یہ بتاتے

(۱) عرب لیگ نے عرب ممالک میں تعلیمی و فکری وحدت پیدا کرنے اور عربی علوم کی حفاظت و اشاعت کے لئے ایک ثقافتی ادارہ قاہرہ میں قائم کیا ہے جو عرب ممالک سے ربط قائم رکھتا ہے ان کو تعلیمی مشورے دیتا ہے اور وہاں کی تعلیمی حالات کا جائزہ لیتا رہتا ہے۔ عربی نادر کتابوں کا ایک جگہ جمع ہونا بھی اس کے مقاصد میں ہے، آجکل ڈاکٹر احمد امین اس کے صدر ہیں۔

(۲) ڈاکٹر احمد امین مصر کے نامور مصنف اور صاحب قلم ہیں، کلیۃ الآداب کے پرنسپل بھی رہے ہیں فجر الاسلام اور ضحی الاسلام کے تاریخی سلسلہ کے مصنف کی حیثیت سے وہ علمی حلقوں میں خاص وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں، ان کا طرز تحریر شستہ و پختگی و ملاست اور علمی اسلوب کا اچھا نمونہ ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہیں کہ ایسے علماء کی کمی ہے جو شریعت کے مقاصد سے بخوبی واقف ہوں اور جدید تمدن کے فوائد و نقصانات کو علم و تنقید کی چھلنی سے چھان کر الگ کر سکیں، اس کے علاوہ جدید مغربی تمدن کے سامنے مسلمانوں کا احساس کمتری بھی اس ناکامی اور شکست خوردگی کا ایک بہت بڑا سبب ہے۔

ڈاکٹر صاحب کے خیال میں اس مرض کا علاج صرف یہ ہے کہ ایسے علماء پیدا کئے جائیں جو دینی علوم میں مہارت رکھنے کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم پر بھی گہری نظر رکھیں۔ پھر وہ مسلمانوں کی قیادت اپنے ہاتھ میں لیں اور انھیں بتائیں کہ مغربی تہذیب نہ یکسر سونا ہے نہ بالکل مٹی۔

یہ ایک ایسے مشرقی فاضل کی ذہنی تصویر ہے جو اپنے خاص طریقہ پر مشرقی زندگی اور مسلمان قوموں کے کمزور پہلوؤں اور کمزوری کے اسباب پر غور کرتا ہے۔

---

ہندستانی سیاح اس بات کا خواہش مند ہے کہ مصری ماہرین تعلیم سے بھی ملاقات ہو، وہ تعلیم کے موضوع پر مصری ماہرین تعلیم کی رائے معلوم کرنا چاہتا ہے اور جاننا چاہتا ہے کہ کون سے طریقے عام اسلامی ممالک کے لئے مفید اور ان کے مزاج کے مناسب ہوں گے۔ یونیورسٹی کے



ایک پرانے دیندار اُستاد ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی (۱) سے انکی ملاقات ہوتی ہے ـــــ دوران گفتگو میں ڈاکٹر صاحب فرماتے ہیں کہ اسلامی مشرق کے پاس صرف علوم طبعیہ (فزکس وغیرہ) کی کمی ہے۔ مشرق کو مغرب سے ان علوم کو اس حیثیت سے اخذ کرنا چاہیئے کہ وہ خالص اور مجرد علوم ہیں۔ مغرب کے سر صرف ان کے اکتشاف اور ان کی تنظیم کا سہرا ہے۔ ان کے اندر مغرب کی جو منکر خدا اور مادہ پرست روح گھس گئی ہے اس کو اخذ کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے نزدیک اسلامی مشرق کو مغرب کے علوم عمرانیہ اور اور اجتماعیہ اور ادبیات کی کچھ ضرورت نہیں ہے جن پر مغرب کی چھاپ ہے اور اس کی روح ان کے اندر گھسی ہوئی ہے، بخلاف علوم طبعیہ کے جن پر کوئی خاص چھاپ نہیں ہے۔ پھر ہمیں علوم و نظریات میں اس کی بھی تمیز کرنی چاہیئے کہ ان میں سے کون کون علمی تجربے اور علمی ثبوت کے مرحلہ سے گزر گئے ہیں اور کون سے ابھی تجربہ و تحقیق کے مرحلہ میں ہیں ہمیں ہر ایک کو اس کی اصلی جگہ دینی چاہیئے۔

---

(۱) ڈاکٹر محمد احمد الغمراوی، مسلمان مفکر اور مسلمان سیرت نئے تعلیم یافتہ مسلمان ہیں، وہ عرصہ سے یونیورسٹی میں علم الکیمیا (کیمسٹری) کے پروفیسر ہیں۔ بڑے باحیت اور غیور مسلمان ہیں۔ ڈاکٹر طٰہٰ حسین کی گمراہانہ کتاب الشعر الجاهلی کا عرصہ ہوا عالمانہ جواب النقد التحلیلی للشعر الجاهلی کے نام سے لکھا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

ہندی نوجوان ازہر کے ایک ممتاز استاد ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ[1] سے ملاقات کرتا ہے اور ان سے بھی اسی موضوع پر گفتگو کرتا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کا تاثر یہ ہے کہ تمام موجودہ خرابیوں کی جڑ تعلیم کی "ثنویت" یعنی دینی و دنیاوی تعلیم کی تقسیم و تفریق ہے۔ وہ صرف ایک تعلیم کے حامیوں میں ہیں، انکی رائے یہ ہے کہ ازہر جدید تعلیم کو بھی اپنالے اور ملک کی ہر قسم کی تعلیم کا ذمہ دار ہو جائے تاکہ ملک سے ان دو تعلیمی طبقوں کا وجود ختم ہو جائے جن میں باہم کوئی رشتہ اتصال نہیں ہے، اس وقت تو صورت یہ ہے کہ جو دینی تعلیم حاصل کرلیتا ہے وہ حکومت کے لائق نہیں رہتا اور جو لوگ حکومت کے نقطۂ نظر سے تیار ہوتے ہیں، ان کا دین سے کوئی لگاؤ نہیں ہوتا۔

یہ ان ماہرین تعلیم کی نقشہ کشی ہے جنھوں نے بہت دنوں تک فن تعلیم کا عملی تجربہ کیا ہے اور تعلیم کے مسائل اور اسکی مشکلات پر دینی نقطۂ نظر سے غور کیا ہے۔

(۱) ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ ازہر کے فاضل اور پیرس یونیورسٹی کے پی۔ ایچ۔ ڈی ہیں۔ پہلے کلیۃ اصول الدین میں فلسفہ و اخلاق کے اُستاد تھے اب قاہرہ یونیورسٹی (جامعہ فواد) میں شریعت اسلامی کے پروفیسر ہیں۔



ایک شاندار اور خوش سلیقہ عمارت میں ہندی مہمان جامعہ ازہر کے شیخ (وائس چانسلر) شیخ عبدالمجید سلیم[1] سے ملاقات کرنے کا شرف حاصل کرتا ہے۔ شیخ عبدالمجید ایک باوقار شخصیت کے مالک ہیں، پیرانہ سالی اور علم دونوں کے امتزاج نے شیخ کی شخصیت میں خاص دل آویزی پیدا کردی ہے۔ یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ انکی عزت ازہر کی کرسی صدارت سے نہیں بلکہ ازہر کی کرسی صدارت ان پر نازاں ہے۔

ہندستانی زائر شیخ ازہر کی خدمت میں علمائے ہند کی طرف سے ہدیۂ سلام پیش کرتا ہے اُدھر سے پر از اعتماد لہجہ میں جواب ملتا ہے "میری اور ازہر کی طرف سے انھیں ہماری نیک تمنائیں پہنچا دیجئے"۔ ہندی نوجوان شیخ ازہر کے سامنے ہندستان میں دینی تعلیم کا نقشہ پیش کرتا ہے اور انھیں بتاتا ہے کہ ہندستانی مسلمانوں میں دین کے لئے کتنی رضا کارانہ اسپرٹ ہے اور ان کے اندر خدمت اور ایثار کا کتنا جذبہ ہے۔ شیخ ازہر کے چہرے پر خوشی کی چمک ظاہر ہوتی ہے اور وہ کہتے ہیں "ماضی میں ازہر کی یہی حالت تھی"

ہندستانی سیاح شیخ ازہر اور مفتی مصر شیخ حسنین محمد مخلوف[2] کے ساتھ ہیں

(۱) شیخ عبدالمجید سلیم فقہ و علوم دینیہ میں مصر کے ممتاز ترین علماء میں ہیں پہلے مفتی اعظم تھے پھر شیخ الازہر ہوگئے جو مصر کا سب سے بڑا دینی عہدہ اور اعزاز ہے۔

(۲) شیخ حسنین اس زمانہ میں خانہ نشین تھے، پھر دوبارہ مصر کے مفتی اعظم ہوگئے شیخ الازہر کے بعد یہ دوسرا دینی عہدہ اور اعزاز ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

# دمشق کی یاد



اخلاق کی جھلک دیکھتا ہے جس کی توقع ازہر کے بزرگ علما اور قدیم دینی تعلیم یافتہ بزرگوں سے کی جا سکتی ہے۔

ایک دن سیاح مشہور مسلمان صاحب قلم اور صاحب فکر استاد سید قطب[1] سے ملاقات کرتا ہے اور ان کے اندر اس شخصیت کو دیکھتا ہے جو دین کی طرف نئی نئی آئی ہو اور اب وہ قیامت تک کے لئے اسلام کو دنیا کا نجات دہندہ سمجھتی ہو۔ سید قطب اسلام کے مستقبل سے بہت پُرامید ہیں، ان کا اس پر ایمان ہے کہ مسلمان ہی دنیا کے متولی، انسانیت کے ٹرسٹی اور اتالیق ہیں۔ گویا ع

ہے حقیقت جن کے دیں کی احتسابِ کائنات

ان میں نومسلم کا سا جوش، مبلغ و داعی کا جذبہ اور مفکر کی سنجیدگی اور متانت جمع ہے۔

اس آئینہ میں آپ اس مصر کی ہلکی سی جھلک دیکھ سکتے ہیں جسے میں نے دیکھا اور میرے ان بہترین ایام کو پکڑ سکتے ہیں، جو مصر میں گزر گئے!

(۱) سید قطب مصر کے نوجوان ادیب اور مقبول اسلامی مصنف ہیں، دار العلوم مصر کے فاضل اور محکمۂ تعلیم کے ایک عہدہ دار ہیں، انکی ادبی و علمی زندگی انکے تنقیدی و ادبی مضامین سے شروع ہوئی جس میں ان کا پایہ مسلم ہے، عرصہ تک وہ مصر کے مشہور آزاد خیال صاحب طرز ادیب عباس محمود العقاد کی بزم ادب کے خاص رکن اور ان کے ادبی وکیل تھے، دفعۃً ان میں دینی رجحانات پیدا ہوئے اور ان کا دماغ اور قلم اسلام کا پُرجوش وکیل بن گیا۔ امریکہ کے قیام نے جو محض تعلیمی نظریات کے مطالعہ کے سلسلے میں تھا ان کے خیالات میں مزید پختگی اور مغرب سے بیزاری پیدا کر دی، انکا اسلامی کیمپ میں آجانا اسلامی دعوت کی ایک بڑی علمی فتح ہے العدالۃ الاجتماعیۃ فی الاسلام اور معرکۃ الاسلام والاسمالیہ ان کی بڑی مقبول کتابیں ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

## دمشق

:- شرق اوسط کا عروس البلاد ہے، نہایت سرسبز شاداب وگلزار شہر ہے۔ شہر میں سے سات نہریں گزری ہیں جنمیں بردی تاریخی وادبی شہرت رکھتی ہے۔ شہر نہایت صاف، موسم نہایت خوشگوار، پانی گرمیوں میں نہایت ٹھنڈا، پھلوں کی کثرت ہے، شہر کے دونوں اطراف باغات کا سلسلہ ہے جو تاریخ وادبیات میں "غوطۂ دمشق" کے نام سے مشہور ہے، یہ کئی میل چوڑے اور کئی میل لانبے باغات ہیں جن میں ٹھنڈے پانی کی نہر جاری ہے اور ہر باغ اور ہر گھر کے اندر سے گزری ہے۔

شہر کی آبادی پانچ لاکھ ہے جسمیں مسلمانوں کی کھلی اکثریت ہے، زبان عربی ہے عربی قومیت سب سے زیادہ شام میں پائی جاتی ہے، تعلیم کا تناسب تمام عرب ملکوں سے (لبنان کے علاوہ) زیادہ ہے، معاشی بناوت مقابلۃً سب سے کم ہے۔ یہاں کا کسان دوسرے ممالک کے زرعی طبقہ سے زیادہ خوشحال ہے صفائی میں شام دوسرے عرب ملکوں سے ممتاز ہے، لطافت وظرافت، تہذیب شائستگی اور تکلفات میں شام بالخصوص دمشق مشرق اوسط کے تمام ملکوں سے بڑھا ہوا ہے اور ہندستان میں اودھ اور لکھنؤ سے بہت مشابہت رکھتا ہے، دینداری اور قدیم تہذیب کے اثرات ابھی تک نمایاں ہیں۔



یہ میرے بچپن کی بات ہے کہ مسلمانوں کے اجتماعات اور مجالس میں واقدی کی فتوح الشام پڑھی جاتی تھی، یہ کتاب اس وقت مسلمان گھرانوں میں اتنی رائج تھی کہ میرے خاندان کے ایک قادرالکلام شاعر سید عبدالرزاق کلامی مرحوم نے اس کا اردو منظوم ترجمہ بھی کیا تھا، اس ترجمہ میں پچیس ۲۵ ہزار اشعار ہیں(۱)، انھوں نے اس ترجمہ میں پورا زور بیان صرف کر دیا تھا، جس وقت یہ کتاب پڑھی جاتی تھی آنکھوں کے سامنے میدان جنگ کا نقشہ اور مجاہدوں کی تصویریں پھر جاتی تھیں۔

مجھے اپنے گھر والوں کی یہ بات اچھی طرح یاد ہے جب کبھی ان لوگوں کو کبھی کسی پریشانی خاطر کا سامنا ہوتا یا کسی موت یا حادثہ سے طبیعتیں متاثر ہوتیں تو گھر کی بیبیاں ایک جگہ جمع ہو کر اسی جنگ نامہ کو پڑھتیں، وہ اپنے بزرگوں کی تکالیف اور مصائب کو پڑھ کر اپنی تکلیفوں کو

(۱) یہ منظوم ترجمہ صمصام الاسلام کے نام سے عرصہ ہوا مطبع نولکشور میں چھپا تھا۔

www.abulhasanalinadwi.org

بھول جاتیں۔ اکثر ایسا اتفاق ہوتا کہ میں اپنی والدہ یا ہمشیرہ کے ساتھ ان مجلسوں میں شرکت کرتا، میں دیکھتا کہ آنسوؤں کی جھڑیاں لگی ہوئی ہیں اور دل جوشِ ایمانی سے اُمنڈ رہے ہیں۔

میں نے اُسی وقت شام کو جان لیا تھا اور اُسی وقت سے میرے دماغ میں شام کے تمام شہروں اور جگہوں کے محل وقوع نقش ہو گئے تھے، دمشق کو تو میں "فتوح الشام" کے ذریعہ اس طرح پہچاننے لگا تھا جیسے وہ پڑوس کا کوئی شہر ہو۔

جب میری عمر کچھ زیادہ ہوئی اور میں نے تاریخ اسلامی کا باقاعدہ مطالعہ کیا تو مجھے معلوم ہوا کہ سیاست اور حکومت کے میدان میں دمشق کی ایک نمایاں جگہ ہے، علم و تمدن کی مجلس میں اس کا ایک مخصوص مرتبہ ہے، دمشق نے ایسے ایسے لوگوں کو اپنی گود میں کھلایا ہے جن پر تاریخ اسلام بجا طور پر فخر کر سکتی ہے بلکہ عام انسانی تاریخ بھی ان کو اپنے سے جُدا نہیں کر سکتی۔

یہی وجہ تھی کہ جب میں نے ۲۰ رمضان سنہ ۱۳۷۰ھ کو دمشق کی سرزمین پر قدم رکھا تو مجھے یہ شہر مانوس معلوم ہوا، مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں کسی جانے پہچانے شہر میں آگیا ہوں، میری سوئی ہوئی یاد جاگ گئی



اور دمشق کے بارے میں جو کچھ میں نے پڑھا تھا، جو کچھ سوچا تھا سب ایک ایک کر کے میرے سامنے آنے لگا، میں نے دمشق کی تاریخی یادگاروں، علمی صحبتوں اور ہم مذاق دوستوں کے درمیان اپنے کو کبھی اجنبی محسوس نہیں کیا۔

میں نے دمشق میں کیا دیکھا؟ اُسے کیا پایا؟ یہ ایک دل آویز تذکرہ ہے۔ وفورِ شوق سے مفصل سُنانے کی نہ مجھ میں جرأت اور نہ سننے کی آپ میں ہمت ــــ! آئیے میرے ساتھ، میں دمشق کی سیر اس طرح کرادوں کہ نہ کوئی اہم چیز چھوٹنے پائے نہ بیکار چیزوں میں وقت ضائع جائے۔

پہلے ہی دن جامع اُموی[1] کی زیارت کی، اللہ کا شکر ہے کہ اس جمیل و جلیل اسلامی یادگار کی زیارت میں مجھے ایک دن کی بھی تاخیر نہیں ہوئی۔ میں نے اپنی اس مختصر سی زندگی میں بہتیری عظیم الشان اور خوبصورت

(۱) جامع اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک (م سنہ ۹۶ھ) کی تعمیر ہے جو اس نے بڑے ذوق و شوق اور بلند حوصلگی سے بنوائی تھی، اس کے لئے اس نے قیصر روم سے معمار طلب کئے اور اس نے بارہ ہزار[۱۲۰۰۰] معمار بھیجے، جہاں مسجد ہے وہاں قدیم رومی کلیسا تھا جس کے آثار اب بھی عمارت کے باہر موجود ہیں، اصلی مسجد کا طول تین سو گز عرض دو سو گز تھا، مسجد کی عمارت ۴۵ ستونوں پر قائم تھی صحن کی وسعت سو گز ہے، اس مسجد میں کئی بار بعد کے زمانہ میں آگ لگی اور مرمت ہوئی، موجودہ تعمیر میں بہت سے سلاطین اسلام کا حصہ ہے لیکن اس کی بنیادیں اور نقشہ قدیم ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

مسجدیں دیکھی ہیں ـــــ دلّی کی شاہجہانی مسجد تو اپنی ہی چیز ہے ـــــ لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس مسجد میں پہنچکر مجھے جس جلال و جمال کا احساس ہوا وہ کہیں بھی نہ ہوا تھا ـــ عصر کا وقت تھا، رمضان کے مبارک دن تھے اور مسجد کا صحن تلاوت و تسبیح سے گونج رہا تھا ـــ اللہ اکبر! زمان و مکان کی عظمتیں مل کر کیسا رنگ دکھا رہی تھیں۔

اس وقت مسجد میں دمشق کے مشہور عالم شیخ احمد کفتارو[1] تفسیر بیان کر رہے تھے، ان کے ارد گرد بوڑھے اور جوان، چھوٹے اور بڑے اس طرح بیٹھے ہوئے تھے جیسے مشمع کے گرد پروانے ـــــ

مسجد کے در و دیوار پر تاریخ اسلام کے بہت سے حسرتناک واقعات کندہ ہیں۔ یہ واقعات میرے دماغ میں تاریخ کے انبار کے نیچے دبے ہوئے تھے، مسجد کی فضا میں وہ اُبھر آئے۔ مسجد کو دیکھتے دیکھتے مجھے پچھلی تمام حکایتیں یاد آگئیں، میں دیکھ تو مسجد کے در و دیوار رہا تھا لیکن میرے دماغ میں اس شہر کی تاریخ اور زمانہ کے انقلابات گھوم رہے تھے

(۱) شیخ احمد کفتارو دمشق کے ایک بڑے عالم، واعظ اور مربی ہیں وہ نسلاً کُرد ہیں ان کے والد سلسلۂ نقشبندیہ خالدیہ میں (جو مولانا شاہ غلام علی صاحب کے خلیفہ مولانا خالد رومی کے واسطہ سے شام و عراق و ترکی میں بہت پھیلا ہوا ہے) شیخ طریقت تھے شیخ احمد کفتارو زمانہ حال کے تقاضوں سے واقف، دمشق کے بڑے بااثر اور باوقار اصلاح پسند عالم ہیں۔



میری زبان پر بیساختہ مصر کے مشہور شاعر شوقی کے اشعار آگئے تھے۔

"میں نے دمشق کی غمگین مسجد میں کھڑے ہوکر پوچھا کیا مصلے یا محراب میں آل مروان (بنی امیہ) ہیں۔

شکستہ دل مسجد یکسر بدل گئی۔ اس کے منبر پر کتنے ہی غلام و آزاد آئے اور چلے گئے۔

اب نہ اذان دہ اذان ہے جو اس کے میناروں سے بلند ہوتی تھی اور نہ کان وہ کان ہیں جو اس کو سنتے تھے"۔

صلاح الدین ایوبی جن کی محبت و عظمت کا نقش میرے دل پر بچپن سے قائم ہے، ان صلاح الدین کی قبر پر فاتحہ پڑھی، ان کے ولی نعمت اور مسلمانوں کے محسن سلطان نورالدین زنگی کے حق میں دعا کی۔ اگر ایسے چند بہادر، مخلص اور بےغرض مسلمان تاریخ میں نہ ہوتے تو پوری تاریخ انسانی لوٹ گھسوٹ، ظلم و زیادتی اور مادہ و معدہ کی داستان کے سوا کچھ نہ ہوتی، انسانیت کب کی ذلیل اور سرنگوں ہوچکی ہوتی۔ قبر پر کھڑے ہوکر میرا دل عالم اسلام کی نذبوں حالی اور میدان کے خالی ہونے پر بھر آیا اور زبان سے بےاختیار نکلا ؎

گوئے توفیق و سعادت درمیاں افگندہ اند
کس بمیداں در نمی آید سواراں را چہ شد

www.abulhasanalinadwi.org

اسلامی غیرت اور دینی حمیت کی ان زندہ جاوید یادگاروں کے مقصل ہی وہ دار الحدیث تھا جس میں علم حدیث کے مشہور امام ساتویں صدی ہجری میں درس دیا کرتے تھے ـــــ وہ تھے امام نووی رحمۃ اللہ علیہ (م - ۶۷۶ھ) جن کے بارے میں شیخ تقی الدین السبکی نے کہا ہے۔

"دار الحدیث کی زمین سے میرے قلب کو خاص تعلق ہے، میں جا بجا اپنی پیشانی رکھتا ہوں کہ شاید جس جگہ امام نووی کے قدم پڑے ہوں وہاں میری پیشانی ٹک جائے"۔

کتب خانہ ظاہریہ جس میں بہت سی نادر کتابیں ہیں، اسے بھی دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ شاید ہی نوادر و نایاب قلمی کتابوں اور مصنفوں کے قلم کی لکھی ہوئی کتابوں کا اتنا بڑا ذخیرہ شرق اوسط میں کسی دوسری جگہ ہو۔

دمشق کی مشہور علمی انجمن ـــــ مجمع علمی[1] ـــــ کا دفتر مدرسہ عادلیۃ الکبریٰ کی عمارت میں ہے۔ اسی مدرسہ میں ابن خلکان نے اپنی مشہور تاریخ مرتب کی تھی، اسی مدرسہ کے دروازہ پر ابن مالک صاحب الفیہ" کھڑے ہو کر عام اعلان کرتے تھے ـــــ ہے کوئی

(۱) شام کی مشہور اور قدیم علمی اکاڈیمی، جس نے بہت سنجیدہ علمی و ادبی خدمات انجام دی ہیں۔



سیکھنے والا ـــــ! ہے کوئی فائدہ اُٹھانے والا ـــــ!! مجمع علمی کے نائب صدر شیخ عبد القادر مغربی[1] سے ملاقات ہوئی، میں ان کی بعض چیزیں یہاں آنے سے پہلے ہی پڑھ چکا تھا۔ ان سے مختلف علمی موضوع پر گفتگو ہوئی۔ انجمن کے سکریٹری خلیل مردم بک[2] سے متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ وہ بڑے خوش اخلاق اور ملنسار آدمی ہیں، ادب ان کا حال بھی ہے اور قال بھی۔

جب بات دمشق کے ادیبوں اور عالموں تک پہنچ گئی تو وہاں کے دو بڑے عالموں کے بارے میں بھی سن لیجئے ایک تو شیخ محمد بہجۃ البیطار[3] اور دوسرے استاد کرد علی صدر مجمع علمی ہیں، دمشق میں

(۱) شیخ عبد القادر مغربی، ممالک عرب کے روشناس علماء و ادبا میں سے ہیں، عربیت و تاریخ میں صاحب نظر اور متعدد کتابوں کے مصنف ہیں، قاہرہ کی عربی اکاڈیمی (مجمع فواد) کے بھی رکن ہیں اور دمشق اکاڈیمی کے نائب صدر ہیں۔

(۲) خلیل مردم بک، دمشق کے مشہور ذی وجاہت "مردم" خاندان کے فرد ہیں۔ جس کا وہاں کی سیاست و قیادت میں خاص حصہ رہا ہے، خلیل مردم عربی کے ادیب اور یورپ کے تعلیم یافتہ ہیں۔ علی بن درہم کا دیوان بڑی تحقیق و محنت سے شائع کیا ہے۔ میرے زمانۂ قیام ہی میں وہ بغداد میں حکومت شام کے سفیر ہو گئے تھے۔

(۳) شیخ محمد بہجۃ البیطار، ممتاز ترین عرب علماء میں سے ہیں۔ دمشق میں بیطار خاندان علم و دینداری میں ہمیشہ نامور رہا ہے۔ شیخ محمد بہجۃ علامہ رشید رضا کے جانشین سمجھے جاتے ہیں حدیث و تفسیر اور تاریخ و رجال پر ان کی وسعت نظر مسلم ہے۔ میں نے اس سفر میں ان سے زیادہ خوش گفتار، بذلہ سنج اور زندہ دل نہیں پایا۔

www.abulhasanalinadwi.org

جن لوگوں سے میں بہت قریب ہوسکا ان میں شیخ محمد بہجۃ البیطار بھی ہیں شاید ہی کوئی دن خالی جاتا ہوگا جب ان سے ملاقات نہ ہوتی ہو اور کسی موضوع پر گفتگو نہ ہوتی ہو۔ یہ اجتماعات و ملاقاتیں کبھی ان کے مکان پر اور کبھی میری قیام گاہ پر ہوتی تھیں، ان کے تبحر علمی اور حاضر دماغی سے میں متاثر ہوا، انھیں خشک سے خشک موضوع کو باغ و بہار بنا دینے میں خاص ملکہ ہے۔ جس طرح وہ اپنے نام کے "خوشگوار"(۱) ہیں اسی طرح ان کی بات چیت کانوں کے لئے خوشگوار اور انکی ذات مجلس کے لئے رونق ہے۔

دوسرے صاحب استاد کرد علی(۲) بہت معمر ہو چکے ہیں، ان کی عمر کے لوگ آج کل محنت کے کام سے کنارہ کش ہو جاتے ہیں اور صرف آرام کرتے ہیں۔ لیکن انھیں دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی تھی کہ اس عمر میں بھی ان کا تالیف و تصنیف کا شوق جوان ہے اور وہ اپنے کام میں ہمہ تن منہمک ہیں۔

(۱) بہجۃ کے معنی خوشگوار ہیں۔

(۲) استاد کرد علی کہنہ مشق مصنف اور اچھے ادیب و مؤرخ ہیں، بہت سی ادبی و تاریخی کتابوں کے مصنف ہیں، ان کا بڑا علمی کارنامہ خطط الشام کی تالیف ہے جو شام کے متعلق معلومات کا خزانہ ہے



ڈاکٹر محمد معروف الدوالیبی(۱) اور پروفیسر مصطفےٰ احمد الزرقاء(۲) جامعہ سوریہ (شامی یونیورسٹی) میں پروفیسر ہیں، یہ دونوں آدمی قدیم و جدید تعلیم کے سنگم ہیں، انھوں نے فقہ اسلامی اور شریعت اسلامی کے قدیم ماخذ کا بھی گہرا مطالعہ کیا ہے اور جدید سیاسی نظاموں اور دستوروں پر بھی وسیع نظر رکھتے ہیں۔ پچھلی "فقہ اسلامی کانفرنس پیرس" (فرانس) میں انھوں نے شام کی نمائندگی کی تھی۔ اول الذکر سے میرا دمشق میں تعارف ہوا اور انھیں کی تحریک سے جامعہ سوریہ (شامی یونی ورسٹی) میں میں نے ایک مقالہ پڑھا، ثانی الذکر سے حلب کے ایک جلسہ میں پہلی ملاقات ہوئی، پھر متعدد مجلسوں میں ساتھ رہا۔

(۱) اس وقت وہ شامی پارلیمنٹ کے صدر بھی تھے، ایک سیاسی پارٹی کے رکن رکین بھی اور یونی ورسٹی میں اصول فقہ اسلامی کے استاد بھی۔ ان کی کتاب المدخل فی اصول الفقہ ایک عالمانہ تصنیف ہے اپنی سنجیدگی اور کردار میں وہ شام میں نیک نام ہیں۔

(۲) مصطفےٰ الزرقاء حلب کے رہنے والے اور کلیۃ الشریعہ (حلب) کے فاضل شامی یونی ورسٹی میں شریعت اسلامی کے استاد اور شام کے زیر ترتیب دستور اسلامی کے خاص مرتبین میں ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

میرے محترم دوستوں میں شیخ مصطفےٰ السباعی(۱) صدر اخوان المسلمین شام اور پروفیسر محمد مبارک(۲) رکن پارلیمنٹ خاص شخصیت اور صلاحیتوں کے مالک ہیں، یہ لوگ مجھے الاخوان المسلمون کی دینی اور علمی مجلسوں میں لے گئے اور وہاں لوگوں سے مجھے متعارف کرایا، یہ دونوں بزرگ پکے مسلمان ہیں اور انھیں اس پر پورا یقین ہے کہ اسلام خدا کا آخری اور ابدی پیغام اور زندگی کا صالح ترین نظام ہے۔ یہ دونوں حضرات علی وجہ البصیرہ اسلام کی طرف دعوت دیتے ہیں۔

(۱) شیخ مصطفےٰ السباعی حمص کے ایک مشہور سباعی خاندان کے فرد ہیں، جامعہ ازہر میں تعلیم کی تکمیل کی اور تدوین حدیث پر ایک تحقیقی مقالہ پیش کرکے ڈاکٹریٹ کی ڈگری لی، مصر کے زمانۂ قیام میں الاخوان المسلمون کی تحریک کے قائد و بانی شیخ حسن البناؒ سے تعارف، تعلق پیدا ہوا اور بہت جلد ان کے معتمدین گئے، ان کی زندگی ہی میں شام میں الاخوان المسلمون کے معتمد خصوصی اور تحریک کے قائد رہے، فلسطین کے جہاد میں نمایاں حصہ لیا اور اخوان کی کتائب (جہادی دستوں) کی قیادت کی۔ شیخ حسن البناؒ کی شہادت کے بعد جن چیدہ شخصیتوں پر ان کی جانشینی کیلئے نظر پڑتی تھی ان میں ایک ممتاز فرد شیخ سباعی بھی تھے لیکن انھوں نے معذرت کر دی، شامی پارلیمنٹ میں اسلامی اشتراکی پارٹی کے لیڈر رہے اور جامعہ سوریہ میں حدیث کے پروفیسر۔ ممتاز ترین خطیبوں میں ان کا شمار ہے۔

(۲) محمد مبارک دمشق کے ایک نامور عالم کے فرزند ہیں، علوم عربیہ کی تکمیل کے بعد پیرس کی یونی ورسٹی سے اعلیٰ ڈگری لی۔ اب دمشق یونی ورسٹی میں عربی کے پروفیسر ہیں، پارلیمنٹ کے رکن شیخ سباعی کے دست راست ہیں۔ کئی بار مختلف وزارتوں میں وزیر رہ چکے ہیں۔ اسلامی الفکر اور مسلمان سیرت آدمی ہیں۔



اور میرے دوست استاد محمد النمر الخطیب(۱) کا مکان تو دوستوں اور ادیبوں کا کلب تھا، وہاں ہم راتوں میں بیٹھ کر علمی باتیں کرتے، اسی جگہ دمشق کے بہت سے عالموں اور پروفیسروں سے میرا تعارف ہوا۔

اسی طرح میرے قدیم دوست محمد کمال الخطیب(۲) میرے لئے بہت اچھی ملاقاتوں اور دلچسپ محفلوں کا ذریعہ بنے۔

جب دمشق کے بڑے بڑے لوگوں کا تذکرہ ہو رہا ہے تو بہت ہی نامناسب بات ہوگی اگر میں اپنے اس عزیز دوست کو بھول جاؤں جس نے دمشق کے دوران قیام میں میرا بڑا ساتھ دیا جو وہاں کے قیام میں میرا خصوصی معاون اور رفیق تھا، میرے اس دوست کا نام سید عبدالرحمٰن الباني(۳) ہے جو دمشق کے ٹریننگ کالج میں استاد ہیں۔

(۱) الخطیب فلسطین کے مشہور علمی و دینی خانوادہ خطیب کے ایک فرد ہیں۔ حیفا کی جامع مسجد کے خطیب تھے، تقسیم سے بے گھر ہوگئے، دمشق کے کسی کالج میں اسوقت مدرس تھے من اثار النکبۃ ان کی ایک کامیاب تصنیف ہے جس میں انھوں نے حادثہ فلسطین کے افسوسناک واقعات و تاریخ قلمبند کئے ہیں۔

(۲) محمد کمال الخطیب دمشق کے مشہور حسینی خاندان کے فرد ہیں ان کے والد میسلون کے موقع پر جہاں پہلی بلد شامیوں اور فرانسیسیوں کا مقابلہ ہوا تھا شہید ہوئے تھے۔ محمد کمال دمشق میں وکالت کرتے ہیں، اور جمعیۃ التمدن الاسلامی کے روح رواں ہیں۔ میری ان کی ملاقات مکہ معظمہ کی ہے۔

(۳) عبدالرحمٰن الباني سادات کے ایک خاندان کے فرد ہیں، ان کے جد امجد قضیب البان بڑے عالم اور مصنف تھے عبدالرحمٰن نے جامعہ ازہر میں دینی تعلیم اور جامعہ مصریہ میں جدید تعلیم حاصل کی اور دونوں کی تکمیل کی، نہایت سلیم الطبع شریف النفس اسلامی فکر اور جذبہ کا نوجوان ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

# ۱

# دمشق سے حلب تک



میں یونی ورسٹی اور کالج کے ان مخلص اور ہونہار نوجوانوں کو کس طرح بھلا دوں جو مجھے ہر وقت گھیرے رہتے تھے اور جنھوں نے مجھے وطن کی یاد نہ آنے دی، خصوصاً تین نوجوان طالب علم بنیہ غبرہ، احمد راتب نفاخ اور محمد توفیق انشاء اللہ ہمیشہ یاد رہیں گے، یہ میری احسان ناشناسی اور ظلم ہوگا اگر میں اپنے میزبان شیخ عبدالوہاب الصلاحی کا ذکر نہ کروں، انھوں نے اپنے طرز عمل سے صحیح اسلامی اور عربوں کے قدیم اخلاق کی یاد تازہ کردی اور اپنی محبت کے گہرے نقوش ثبت کردئے۔

دمشق میں مجھے متعدد تقریروں کا بھی اتفاق ہوا۔ ایک مقالہ "المیۂ فلسطین کے بنیادی اسباب" جامعہ سوریہ میں پڑھا، ایک تقریر "ایک معلم کے تجربے" جامعۂ غرا میں کی۔

یہاں آکر جب میں خیال کرتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میری زندگی کے چند خوشگوار ترین دن دمشق میں گزر گئے، دمشق میں میرے لئے اللہ نے محل و مقام کی لطافت اور دلچسپی، معتدل آب و ہوا، قلب کا سکون و اطمینان، عقل کی غذا، جسم کی راحت جمع کردی تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ نعمتیں کم یکجا ہوا کرتی ہیں اور اس تیز رو اور ہنگامہ خیز زندگی میں تو بہت نایاب و عنقا ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

۲۵ شوال اتوار کا دن میرے لئے بڑی اہمیت اور دلچسپی کا دن تھا، آج حمص کے سفر کا پروگرام تھا، میرے محترم دوست شیخ مصطفےٰ السباعی (صدر الاخوان المسلمون) نے سفر کے ابتدائی انتظامات کر رکھے تھے اور حمص کے مرکز اخوان المسلمین کو میری آمد کی اطلاع دے دی تھی، ظہر کی نماز پڑھ کر ہم دمشق سے روانہ ہوئے یہ سفر کار کے ذریعہ سے تھا اس لئے راستہ کے مناظر اور درمیانی مقامات کے دیکھنے کا پورا موقع تھا، مجھے یہ معلوم تھا کہ دمشق اور حمص کا درمیانی راستہ صحابہ کرام اور مجاہدین اسلام کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال ہو چکا ہے، ہماری موٹر ہوا کی طرح جا رہی تھی اور میں یہ سوچتا جا رہا تھا کہ جس راستے کو ہم اس برق رفتاری اور آسانی کے ساتھ طے کر رہے ہیں اس کو اسلام کے حوصلہ مندوں نے اونٹوں اور گھوڑوں پر اور پاپیادہ طے کیا تھا، میری تصور کی آنکھیں اسلامی افواج کو نقل و

www.abulhasanalinadwi.org

حرکت کرتی ہوئی دیکھ رہی تھیں [redacted] اپنی تن آسانی اور راحت طلبی پر نادم تھا، دمشق سے نکلتے وقت ہم کئی میل تک غوطۂ دمشق کے ساتھ ساتھ چلتے رہے۔ راستہ کا بڑا حصہ سرسبز اور کچھ حصہ پتھریلا ملا۔

عصر آخر ہم حمص پہونچے۔ اخوان کے صدر دفتر میں جو ایک شاندار عمارت اور باغیچہ میں واقع ہے، احباب ہمارے منتظر تھے۔ انھوں نے ہم کو ہاتھوں ہاتھ لیا، اسلامی اخوت، اخوانی محبت اور گرم جوشی کے ساتھ ملے، اخوان کے ذمہ دار شیخ فصوح البناعی نے جو شیخ مصطفےٰ السباعی کے حقیقی بھائی ہیں۔ اخوان کے کارکنوں اور ذمہ داروں سے تعارف کرایا اور بتلایا کہ انھوں نے حمص کے مشہور ہوٹل میں ہماری رہائش کا انتظام کیا ہے۔ ہم نے ان سے معذرت کی اور عرض کیا کہ ہم کو یہیں اسی مرکز میں آرام ملے گا، کیونکہ ہم بے تکلفی کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں، انھوں نے ہماری درخواست منظور کی، انھوں نے یہ بتلایا کہ اس وقت کا پروگرام یہ ہے کہ ہم یہاں کی مشہور سیرگاہ قدیم تاریخی نہر نہر عاصی کے کنارے کچھ وقت گزاریں گے اور احباب کے ساتھ رات کا کھانا کھائیں گے، پھر نماز عشاء کے بعد یہیں مرکز میں آپ یہاں کے مسلمانوں سے خطاب کریں گے جس کی اطلاع شہر کے تعلیم یافتہ اصحاب اور اخوان کے کارکنوں اور ہمدردوں کو دیدی گئی ہے۔



نہر عاصی بڑی تفریح کی جگہ ہے، اس کے دونوں کناروں پر چائے خانے اور لوگوں کے بیٹھنے کی جگہیں بنی ہوئی ہیں۔ ہم نے مغرب کی نماز پڑھی، جا بجا چائے نوشی کی مجلسیں گرم تھیں۔ نماز کے بعد ہم نے کھانا کھایا جو شامی تکلفات اور اخوان کی محبت اور تواضع کا اچھا نمونہ تھا۔ حمص دمشق کے مقابلہ میں زیادہ سرد مقام ہے، پھر نہر کے قرب اور کھلے ہوئے میدان کی وجہ سے ہوا میں خنکی اور فضا میں برودت تھی۔ مجھے سردی کا اثر محسوس ہوا، وہاں سے اٹھ کر ہم لوگ مرکز میں آئے دیکھا تو چمن حاضرین سے بالکل بھر گیا تھا، پورے چمن میں بڑے قرینے سے کرسیاں لگی ہوئی تھیں اور شہر کا جوہر وہاں جمع تھا۔ سب سے پہلے استاد عبدالمجید طرابلسی نے مقرر کے تعارف میں ایک برجستہ اور پرجوش تقریر کی، پھر یہ راقم سطور کھڑا ہوا اور اس نے حمص سے اپنے قدیم دینی اور ذہنی روابط کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا کہ بچپن ہی سے یہ شہر ہمارے لئے مانوس اور محبوب ہے۔ شاید ہمارے شامی احباب اور اہل حمص کو اس کا علم نہ ہوگا کہ شام کی فتوحات اور صحابہ کرامؓ کے ان واقعات کا جو اس سرزمین میں پیش آئے، ہندستانی مسلمانوں کے ذہن پر کیا اثر ہے اور ان واقعات نے ہندستانی مسلمانوں کی تاریخ کے بنانے میں کتنا بڑا حصہ لیا ہے، یہ واقعات آج بھی ہندستانی مسلمانوں کے افسردہ دلوں میں زندگی کی چنگاری پیدا

www.abulhasanalinadwi.org

کر دیتے ہیں اور ان کی دینی حمیت اور اسلامی غیرت کو متحرک کر دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ خود آپ کا اپنی اس تاریخ سے کیا تعلق ہے اور وہ آپ میں بھی کچھ حرکت اور زندگی پیدا کرتی ہے یا نہیں! اور آپ کو اس کا احساس بھی ہے یا نہیں!! ایمان اور جد وجہد کی یہی تاریخ ہے جس نے مسلمانوں کو اپنے ماحول اور گرد وپیش کی اکثریت میں گم ہو جانے سے روکا اور ان پر دنیا طلبی اور مادہ پرستی کا پوری طرح تسلط نہیں ہونے دیا۔ حمص کی سرزمین کو یہ فخر ہے کہ یہ اس مجاہد اسلام کی آرام گاہ ہے جس کو بارگاہ نبوت سے سَیْفُ اللہ کا خطاب ملا تھا، آج عالم اسلامی کے پاس سب کچھ ہے مگر خدا کی تلوار اس کے ہاتھ میں نہیں، کاش حمص کی سرزمین عالم اسلام کو یہ دولت واپس کر سکتی، پھر میں نے عرض کیا کہ عالم اسلامی کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ وہ حقیقت سے خالی ایک تصویر اور اسلام کا ایک بے روح ڈھانچہ ہے۔ اس موقع پر میں نے اپنی ایک ہندستانی تقریر "صورت اور حقیقت" کا خلاصہ بیان کیا۔

لوگ اس تقریر سے متاثر نظر آئے، فلسطین میں متحدہ عرب حکومتوں کی شکست کچھ پرانا واقعہ نہیں، میری اس تقریر سے سننے والوں کے زخم کہن تازہ ہو گئے۔

اگلے دن صبح کو ہم نے سب سے پہلے سیدنا خالد بن ولیدؓ



رضی اللہ عنہ کی قبر مبارک کی زیارت کی اور دیر تک وہاں کھڑے رہے قلب ان کی عظمت، قوت ایمانی اور جرات وشجاعت اور عالم اسلام کی زبوں حالی اور اس کے روحانی افلاس سے بہت متاثر تھا۔ جی چاہتا تھا کہ دیر تک کھڑے رہیے اور ان کے کارناموں کو اپنے دل ودماغ میں تازہ کیجیے۔ اس مسجد کے ایک گوشہ میں ایک دینی مدرسہ ہے اسکا معائنہ کیا اور وہاں کے طلبار سے مختصر خطاب کیا۔ جامع خالد بن ولید سے نکل کر ہم اپنے مخلص دوست شیخ عبد العزیز عیون السود کے مکان پر آئے۔ گذشتہ سال ان سے حج کے موقع پر ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے بڑے خلوص اور اصرار سے حمص کی دعوت دی تھی وہ دار القضاء کے سکریٹری (امین الفتوی) اور مفتی حمص کے مددگار ہیں، انکی معیت میں ہم مفتی حمص جناب محمد توفیق ابو الحسن الاتاسی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ یہ بزرگ حمص کے مفتی اعظم ہیں اور موجودہ صدر جمہوریہ ہاشم الاتاسی بے کے چچازاد بھائی ہیں۔ معمر، منور صورت اور بڑے متواضع اور خلیق ہیں، ان کے انداز ہمارے ہندستان کے قدیم علماء واساتذہ سے بہت ملتے ہیں۔ ظہر کی نماز ہم نے سلطان نور الدین زنگی کی مسجد میں پڑھی جو شہر کی جامع مسجد ہے اور اخوان المسلمین کا کتب خانہ دیکھا۔ شام کو فلسطینی مہاجرین کی ایک خصوصی مجلس میں خطاب کا موقع ملا اس

www.abulhasanalinadwi.org

میں شہر کے بہت سے اعیان اور تعلیم یافتہ حضرات شریک تھے، اگلے روز مفتی حمص اور شیخ عبدالعزیز کی معیت میں ہم نے سیدنا عمر بن عبدالعزیزؒ کے مزار مبارک کی زیارت کی۔ یہ حمص کے مضافات میں دیر سمعان نامی مقام پر ایک ٹیلہ پر واقع ہے، کچھ دیر تک ان کی قبر کے پاس بیٹھے رہے، دل نے یہ کہا کہ آج دنیا کو عمر بن عبدالعزیز ہی جیسے خدا ترس، فرض شناس، محتاط اور زاہد حاکم کی ضرورت ہے، دنیا کی موجودہ معاشی اور سیاسی اُلجھنوں کو نہ خدا ناشناس جمہوریت سلجھا سکتی ہے نہ خدا فراموش بادشاہت ؎

جلال بادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو
جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

ظہر کی نماز پڑھ کر ہم حماۃ کی طرف روانہ ہوئے اور عصر کے وقت ہم وہاں پہنچ گئے، یہاں بھی ہمارا قیام اخوان المسلمین کے مرکز میں ہوا۔ یہ مرکز یہاں کے ایک مشہور تاریخی محل (قصر آل العظم) میں واقع ہے جو قدیم مشرقی تہذیب اور مرفہ الحال طبقہ کی معاشرت اور زندگی کا بہترین نمونہ ہے۔ یہ مشہور شامی دولت مند اور سرآوردہ خاندان آل العظم کی یادگار ہے جس کے افراد شام میں حکومت کے بڑے بڑے عہدوں پر فائز رہ چکے ہیں۔ یہ ترکی معاشرت اور طرز تعمیر کا نمونہ ہے



اور متعدد خاندانوں کی رہائش کے لئے بالکل کافی ہے اس میں عالیشان نشستیں، مکلف مجلسیں اور آرام دہ حمام ہیں۔

مغرب کے بعد ہم نقیب الاشراف سید مرتضیٰ گیلانی سے ملنے ان کی قیام گاہ پر گئے، گیلانی خاندان سادات کا مشہور معتبر خانوادہ ہے جس کا سلسلہ نسب سیدنا عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ پر ختم ہوتا ہے یہ خاندان حماۃ میں صدیوں سے آباد ہے اور ان اطراف میں بڑی عزت و حرمت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

عشاء کے بعد اخوان المسلمین کی دعوت پر علما و طلبا اور اعیان شہر کی ایک بڑی تعداد آگئی تھی اور ہماری آمد کی تقریب میں خاصہ جلسہ ہوگیا تھا، میں نے حاضرین کو خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ہندستانی مسلمانوں کو تاریخ اسلام کی بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہے، خصوصاً شام کی تاریخ نے ان میں جو جذبات پیدا کئے اس نے ان کو کئی بار آزمائش میں ڈالا۔ ان کے لئے تن آسانی اور مادہ پرستی کی زندگی بہت آسان تھی اور اس کے لئے بڑا وسیع میدان تھا لیکن آپ ہی کی تاریخ نے ان کو اس سے باز رکھا اور قوم پرستی اور وطن پرستی کی غیر اسلامی دعوتوں کا شکار نہیں ہونے دیا، یہ کیسی ناانصافی ہوگی کہ آپ دوسروں کو سبق پڑھا کر خود عزنی قومیت اور جاہلی وطنیت کے علمبردار بن جائیں، پھر کسی دوسری

www.abulhasanalinadwi.org

قومیت یا کسی دوسری وطنیت نے کیا قصور کیا ہے جو کسی ملک کے مسلمان اس کو قبول نہ کریں۔

اجتماع کے بعد ہمارا وہاں کے علماء اور معززین سے تعارف کرایا گیا جن میں بعض اطراف و مضافات کے لوگ بھی تھے۔

حماۃ میں باہر سے آنے والوں کو جو چیز سب سے زیادہ متوجہ کرتی ہے وہ وہاں کا آب رسانی کا طریقہ ہے، یہاں قدیم رومی زمانہ سے بڑے بڑے دیو پیکر پہیے تالابوں پر نصب ہیں جن میں ٹین کے ایسے ڈبے لگے ہوئے ہیں جو پہیے کی گردش میں پانی سے بھر جاتے ہیں اور پھر شہر کی مختلف سطح زمین پر وہ پانی سے خالی ہو جاتے ہیں اور پانی نالیوں کے ذریعہ گھروں اور کھیتوں میں پہنچتا ہے۔ پہیوں کے چلنے کی ایک خاص آواز ہوتی ہے جو رات کے سناٹے میں بہت تیز معلوم ہوتی ہے اور دن کے شور میں ہلکی پڑ جاتی ہے رات کو ہم دیر تک یہ آواز سنتے ہوئے سو گئے۔ صبح ہم حماۃ کے کنارہ قدیم اور تاریخی مقامات دیکھنے نکلے، اس سلسلے میں ہم نے مشہور مؤرخ اور فاضل بادشاہ ابوالفداء کی جامع مسجد کی زیارت کی۔ حماۃ کی تعمیر و ترقی اور اسکی شہرت و عزت میں ابوالفداء کا خاص حصہ ہے۔ اسکے زمانہ میں حماۃ نے بڑا عروج حاصل کیا اور وہ ایک مستقل سلطنت کی



حیثیت رکھتا تھا۔ آج بھی اس کے نام پر حماۃ کا سب سے بڑا ہوٹل اور ایک کالج ہے۔ ہم نے الملک المظفر کی جامع مسجد بھی دیکھی جو رومی عہد میں ایک گرجا تھا، ایک کالج دیکھا، اور اس کے بعض اساتذہ سے ملاقات کی، اس کالج کا نام مشہور اسپینی فلسفی ابن رشد کی یادگار میں نافوبہ ابن رشد (ابن رشد کالج) ہے

حماۃ کے دوستوں نے بڑی محبت اور خلوص کا ثبوت دیا۔ ہماری طبیعت حماۃ پہنچ کر خراب ہو گئی تھی ان دوستوں نے ایسی خدمت کی جس سے زائد گھر پر بھی ممکن نہیں۔

دوسرے دن ہم نے اپنے دوست شیخ عبدالغنی ساعاتی کی معیت میں حماۃ کے قلعے اور اس کے آثار کی سیر کی، یہ قلعہ رومیوں کے عہد کا ہے اور اب بالکل ویران ہے، اس کے اندر سے بڑی قیمتی یادگاریں اور تاریخی آثار برآمد ہوئے ہیں، وہاں سے ہم شہر میں آئے۔ حماۃ کے بازار بڑے پُر رونق اور شہر کا منظر بڑا دل فریب ہے۔ ہوٹل ابوالفدار کے سامنے سے ہم نہر کے کنارے کنارے چلے گئے۔ یہاں میونسپلٹی کی عمارت اور قصر حکومت ہے۔ چائے خانوں کے سامنے شہر کے خوش مذاق اور زندہ دل احباب جمع تھے اور چائے کا دور چل رہا تھا چاندنی

www.abulhasanalinadwi.org

رات اور شامی نوجوانوں کے حلقے اور نہر کا قرب عجب بہار دیتا تھا۔

اگلے روز (۳۰ شوال ۱۳۷۰ھ) جمعہ کے دن ہم حماۃ کے دوستوں سے رخصت ہوکر حلب کی طرف روانہ ہوئے، راستہ میں شہر معرۃ النعمان پڑا۔ جہاں ہم نے کھڑے کھڑے عربی کے مشہور فلسفی شاعر ابوالعلیٰ المعری کی قبر کی زیارت کی وہاں ہمیں اس کے وہ اشعار یاد آئے جو اس نے بغداد میں اپنے وطن کی یاد میں کہے تھے۔

جمعہ کی نماز کے وقت ہم حلب پہنچ گئے۔ یہ شام میں دوسرے درجہ کا شہر اور دمشق کے ٹکر کا ہے۔ پانچ لاکھ آبادی بتائی جاتی ہے، یہ نہ صرف شام بلکہ سوریا، فلسطین اور لبنان (قدیم ملک شام) کا سب سے بڑا صنعتی شہر ہے۔ شہر بڑا اُجلا اور پُررونق اور صاف ستھرا ہے۔ لیکن دمشق کے مقابلہ میں یہاں پانی کی بڑی کمی ہے۔ ہم سیدھے اخوان المسلمین کے صدر دفتر میں پہونچے، قریب کی مسجد میں جمعہ کی نماز ادا کی اور اخوان کے صدر شہر کے ممتاز وکیل شیخ عبدالقادر السبسبی کے مہمان ہوئے آج بعد مغرب ہماری تقریر کا اعلان تھا۔ تقریر کا عنوان تھا



"عرب اپنا کھویا ہوا مقام کیسے حاصل کرسکتے ہیں"

اسی جلسہ میں مشہور شامی فاضل دمشق یونی ورسٹی کے پروفیسر شیخ مصطفےٰ الزرقاء کی بھی تقریر تھی۔ مغرب کے بعد مرکز اخوان کا وسیع باغیچہ حاضرین سے بھر گیا۔ ہر طرف علماء کے عمامے اور کالجوں کے طلباء کی سُرخ ترکی ٹوپیاں نظر آرہی تھیں، اخوان کے نوجوان سکریٹری استاد عمر کرکی کی تعارفی تقریر کے بعد میں نے تقریر کی جسمیں بتلایا کہ عربوں کو ساری دنیا کی قیادت کا مقام کس طرح حاصل ہوا تھا اور پھر کن غلطیوں اور کمزوریوں کی وجہ سے انھوں نے وہ مقام کھویا، اب دنیا کو کس قیادت کی ضرورت ہے، عرب دنیا کی موجودہ ضروریات اور توقعات کو کس طرح پورا کرسکتے ہیں دنیا کس طرح وطنیت اور قومیت سے بیزار ہے اور کس طرح کے عالمگیر پیام اور ہمہ گیر انسانیت کی پیاسی ہے اور عرب ہی اسکی اس پیاس کو بجھا سکتے ہیں اور اس طرح اپنی بے غرض خدمت اور اپنی مخلصانہ قیادت سے اپنا کھویا ہوا مقام حاصل کرسکتے ہیں۔ اور جس طرح انھوں نے قدیم دنیا کو انسانوں کی غلامی اور خودساختہ مذاہب کی ناانصافی سے نکالا تھا اور اسلام کی روشنی اور اس کی وسعت میں داخل کیا تھا اسی طرح اس موجودہ دنیا کو بھی انسانوں

www.abulhasanalinadwi.org

کی بندگی اور تہذیب حاضر کی درندگی سے نجات دلا سکتے ہیں۔

اگلا دن حلب کے علماء و اعیان سے ملنے اور یہاں کی مشہور مساجد اور شہر کے مقامات کے دیکھنے میں گزرا، دوسرے دن ہم نے یہاں کی پبلک لائبریری اور معہد علوم شرعیہ کی سیر کی اور وہاں کے اساتذہ اور اسٹاف سے ملاقات کی۔ حلب کے قیام کے دوران میں ہم نے ترکی حدود کی بھی سیر کی اور شام کا ایک سرحدی قصبہ (حارم) بھی دیکھا، حلب کے قدیم قلعہ کی سیر کی جو رومی اور اسلامی عہد کی یادگاروں کا مجموعہ ہے۔ افسوس ہے کہ مشہور عرب بادشاہ سیف الدولہ جو اپنی شعر نوازی اور ادب پروری میں بہت مشہور ہے اور بڑے بڑے عرب شعراء کا ممدوح ہے کوئی یادگار دیکھنے میں نہیں آئی۔ یہ بھی پتہ چلانا مشکل تھا کہ شہر کے کس حصہ میں اس کے محلات اور اس کی عمارتیں تھیں۔

حلب سے ہم لوگ پھر دمشق واپس آ گئے

# ارض مقدّس میں

www.abulhasanalinadwi.org

۲۶۔ رمضان ۱۳۷۰ھ اتوار کے دن ۹ بجے صبح کو ہم دمشق سے بیت المقدس کے لئے روانہ ہوئے۔ ظہر کے وقت ہم عمان پہونچے اور ہم نے ظہر و عصر شہر کی جامع مسجد میں پڑھی، مسجد فلسطینی پناہ گزینوں سے بھری ہوئی تھی، عصر پڑھکر ہم پھر روانہ ہوئے، راستہ میں ہم بحر میت (بحیرۂ لوط) کے پاس سے گزرے، کہا جاتا ہے کہ سدوم کی بستی جہاں قوم لوطؑ رہتی تھی اسکے قریب ہی واقع تھی اور عذاب الٰہی کے بعد وہی اس بحیرہ میں تبدیل ہوگئی(۱)۔ ہم قرآن مجید کی ان آیتوں کو یاد کرتے ہوئے چلے گئے۔

| | |
|---|---|
| وَاِنَّهَا لَبِسَبِيْلٍ مُّقِيْمٍ | اور بیشک وہ (بستیاں) چلتے ہوئے راستہ پر ہیں۔ |

(۱) ۱۹۳۰ء، ۱۹۳۱ء کے اکتشافات میں اس قوم کے شہروں کے آثار بحر میت کے ساحل پر برآمد ہوئے تھے، یہ جگہ سطح سمندر سے ۴۰۰ میٹر کے قریب نشیب میں ہے۔

www.abulhasanalinadwi.org

| | |
|---|---|
| وَاِنَّكُمْ لَتَمُرُّوْنَ عَلَيْهِمْ مُّصْبِحِيْنَ | اور بیشک تم ان پر سے صبح اور رات کو |
| وَبِالَّيْلِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ | گزرتے ہو پس کیا تم نہیں سمجھتے |

ہم کو راستہ میں نہر اردن پڑی جس کو نہر الشریعۃ بھی کہتے ہیں قدس جتنا قریب ہوتا جارہا تھا، زمین کی بلندی اور موسم کی خنکی بڑھتی جارہی تھی، غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ ہم ارض مقدس میں داخل ہوئے اور اُتر کر سیدھے زاویۃ النود[1] کا رُخ کیا، نماز کے بعد ہم مسجد اقصیٰ میں داخل ہوئے اور اس مسجد میں نماز پڑھی جو جنوب میں واقع ہے اور اب اس کو خصوصیت کے ساتھ مسجد اقصیٰ کہتے ہیں اور اسی کے پہلو میں مسجد عمر ہے

دوسرے ہی دن سے ہم کو مولانا محمد صادق مجددی سفیر افغانستان متعینہ مصر نے اپنا مہمان بنا لیا، ان کا معمول ہے کہ وہ رمضان میں قاہرہ سے بیت المقدس آجاتے ہیں اور وہیں اعتکاف کرتے ہیں ہم تمام دن مسجد کے وسیع احاطہ میں رہتے، یہ ایک نہایت کشادہ اور پُرفضا میدان ہے، جو اپنے رقبہ میں کسی طرح ایک بڑے محلہ سے کم نہیں۔ ہمارا اکثر وقت مسجد سلیمان میں (جس کو عموماً مسجد اقصیٰ کہتے ہیں) گزرتا، یہاں شہر قدس اور اطراف وجوانب کے مسلمان دن بھر

(۱) یہ ہندستانی سلانوں کا سرائے خانہ ہے اور ہندستانیوں ہی کے انتظام میں ہے۔



جمع رہتے۔ صبح سے ظہر کے بعد تک قرآن مجید کی تلاوت سے یہ جگہ گونجتی رہتی، جا بجا درس کے حلقے اور وعظ کی مجلسیں بھی ہوتیں، مسجد کا اندرونی حصہ بڑا پُرسکینت اور بابرکت معلوم ہوتا اور وہاں سے نکلنے کو جی نہ چاہتا، حاضرین میں تقریباً تمام فلسطینی مہاجرین اور وہ مصیبت زدہ مسلمان ہوتے جو مختلف مقامات سے جلا وطن ہوکر بیت المقدس کے آس پاس بس گئے تھے، ان کے دل ٹوٹے ہوئے اور چہرے مرجھائے ہوئے نظر آتے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان کے لئے زندگی میں کوئی دلچسپی اور اُمید کا کوئی سہارا باقی نہیں رہا۔ مسجد سلیمان کے سامنے کچھ فاصلے پر چند زینے چڑھ کر مسجد صخرہ ہے جو نقاشی اور فن تعمیر کا اچھا نمونہ ہے، ہم عموماً مغرب کی نماز مسجد صخرہ کے سامنے پڑھتے اور وہاں سے مجددی صاحب کی قیام گاہ پر آجاتے اور ان کے ساتھ کھانا تناول کرتے۔ مجددی صاحب کی قیام گاہ پر شہر کے معززین، حکام اور شرفا وعلماء کی آمد کا سلسلہ جاری رہتا تھا، وہ ان اطراف میں بہت مقبول اور مانوس شخصیت ہیں اور اپنی دینی خصوصیات کی بنا پر عام سفراء کے مقابلہ میں زیادہ احترام اور محبت کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں۔

۲۸۔ رمضان کو ہم نے ہندستان کے محبوب رہنما

www.abulhasanalinadwi.org

اور تحریک خلافت کے روح رواں مجاہد اسلام مولانا محمد علی مرحوم کی قبر کی زیارت کی، ہمیں وہ وقت یاد آیا جب وہ ہندستان کے بے تاج بادشاہ تھے اور ہندستانی مسلمانوں کے دل و دماغ پر ان کی حکومت تھی بچپن کے نقوش حافظہ میں ابھر آئے اور ہمیں بے اختیار وہ شعر یاد آگیا جو ۲۲-۱۹۲۱ء میں بچہ بچہ کی زبان پر تھا ؎

بولیں اماں محمد علی کی
جان بیٹا خلافت پہ دے دو

مولانا محمد علیؒ کے مزار کے قریب دیوار پر ان کے ایک قدردان خوش ذوق ہندستانی مسلمان ریاض الدین فاروقی صاحب مقیم قاہرہ نے مولانا کا ایک شعر لکھ کر آویزاں کر دیا ہے جو بالکل حسب حال اور الہامی معلوم ہوتا ہے ؎

جیتے جی تو کچھ نہ دکھلایا مگر
مر کے جوہرؔ آپ کے جوہر کھلے

اسلام اور وطن کے رشتہ سے (جو غریب الوطنی میں خاص طور سے ابھر آتا ہے) بڑی محبت اور کشش معلوم ہوئی اور جی چاہا کہ دیر تک کھڑے رہئے اور ان کی روح کو ثواب پہنچایئے۔

مجددی صاحب کی قیام گاہ پر شہر اور مسجد اقصیٰ کے اعلیٰ عہدہ داروں



اور بیت المقدس کے عالی خاندان شرفاء سے ملاقات ہوتی تھی جنمیں شیخ الحرم سید توفیق حسینی (مفتی امین الحسینی کے چچازاد بھائی) امام حرم شیخ سعد امام الحسینی (سکریٹری مجلس علماء شرق اردن) استاد ابوسعید حسینی اور شیخ فائق انصاری شیخ الصخرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ان سے فلسطین کے متعلق بہت سے حقائق اور معلومات حاصل ہوئے اور آپ بیتی اور آنکھوں دیکھی باتیں سُنیں، عرب حکومتوں کی کوتاہیاں، ارباب اقتدار کی اخلاقی کمزوریاں، یہودیوں کی سازشیں اور انگریزوں کے مجرمانہ اعمال کا علم ہوا اور فلسطین میں عربوں کی شکست کے حقیقی اسباب معلوم ہوئے۔ مجھے معلوم ہوا کہ اسمیں عوام کا کوئی قصور نہیں، یہ سب انگریزوں کے نقشہ کے مطابق ہوا، اور اس شکست کی ذمہ دار عرب حکومتیں ہیں۔ ایک معمر بزرگ جنھوں نے زمانہ کے بہت اُتار چڑھاؤ دیکھے ہیں یہاں تک کہتے تھے کہ دنیا کے ہر فساد اور ہر خرابی میں انگریز ہی کا ہاتھ نظر آئے گا، یہاں تک کہ اگر سمندر کی مچھلیاں آپس میں لڑیں یا کسی کے گھر میں ناچاقی ہو تو اسمیں بھی اس جرائم پیشہ قوم کا ہاتھ ہوگا۔

عید کی نماز ہم نے مسجد اقصیٰ میں پڑھی۔ مسجد اقصیٰ کی اس پُرحسرت فضا میں اور عام شکستہ دلی اور افسردگی کے ماحول میں عید کی خوشیاں، زرق برق لباس اور فوجی سلام ایک نقالی معلوم ہوتی تھی جس کے اندر کوئی روح اور حقیقی مسرت نہیں، مجددی صاحب کی قیام گاہ

عید کی مبارک باد دینے والوں اور ہر طبقہ کے آنے والوں سے ہر وقت بھری رہتی تھی، آج ہم نے ان کے ساتھ عید کی ملاقات کا گشت کیا اور شہر کے ایک سربرآوردہ حسینی خاندان کے فرد سید ابوسعید کے یہاں کھانے میں شرکت کی اور مجددی صاحب کی زبان سے انقلاب افغانستان کی پوری تاریخ سُنی جسمیں وہ مرکزی حیثیت رکھتے تھے۔

ظہر کی نماز کے بعد ہم مجددی صاحب کی معیت میں شہر الخلیل گئے جو سیدنا ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قیام گاہ اور اب آپ کی آرام گاہ ہے اور آپ ہی کی نسبت سے "مدینۃ الخلیل" یا "خلیل الرحمٰن" کے نام سے مشہور ہے۔ یہ شہر سلطنت شرق اردن اور فلسطین کے عربی علاقہ کا بڑا دل آویز اور متبرک شہر ہے، یہاں کا موسم نسبتاً سرد اور پھلوں اور میووں کی بہتات ہے، آبادی تمام تر مسلمان ہے اور شائستہ اور محبت و حمیت دینی میں ممتاز، اس کا فاصلہ قدس سے کچھ زیادہ تو نہیں لیکن درمیان میں یہودی علاقہ ہونے کی وجہ سے کچھ چکر کے ساتھ پہنچنا ہوتا ہے۔ ہم بیت اللحم سے گزرتے ہوئے جو حضرت مسیحؑ کی ولادت گاہ ہے عصر کے وقت الخلیل پہنچے راستہ میں ہم نے عرب پناہ گزینوں کے خیمے اور ان کی زبوں حالی اور بیچارگی دیکھی۔ شیخ یوسف طہبوب سابق مفتی حیفا کے یہاں چائے پی کر ہم نے حرم خلیل میں حاضری دی اور سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کے مزار پر انوار



کی زیارت کی، جس کی قطعیت اور صحت میں کوئی شک نہیں، ہمارا قیام الخلیل کے رئیس بلدیہ شیخ محمد علی جعبری کے یہاں تھا، عید کا دن تھا، سفیر افغانستان کی آمد بھی لوگوں کو معلوم تھی جو اس شہر کے حلقوں میں بہت مشہور و مقبول ہیں اور ہر سال تشریف لایا کرتے ہیں۔ لوگ جوق در جوق سلام و مبارک باد کے لئے حاضر ہوتے تھے اور مٹھائیوں اور حلووں سے ان کی تواضع کی جاتی تھی، دیر رات تک یہی سلسلہ رہا۔

تقریباً دو دن ہمارا الخلیل میں قیام رہا، تمام وقت کی نمازیں ہم نے حرم خلیل میں پڑھیں، قرآن مجید کی وہ آیات جو سیدنا ابراہیمؑ کے متعلق ہیں اس موقع پر خاص طور سے تازہ کیں اور حضرت ابراہیمؑ کے جوار میں ان کو بار بار پڑھا اور لطف لیا، جمعہ کی نماز کے بعد مجھے حاضرین سے کچھ خطاب کا موقع ملا، اور کھانے پر علما و اعیان شہر سے تعارف ہوا۔

الخلیل کا شہر سطح سمندر سے چار ہزار فٹ بلند ہے، آب و ہوا بہت خوشگوار اور پُر بہار ہے، لوگوں میں لطافت اور سیدنا ابراہیمؑ کے جوار کے اثر سے مہمان نوازی، نرمی اور حلاوت ہے اسی کے ساتھ ساتھ وہ اپنی بلند حوصلگی اور شجاعت میں بھی ممتاز ہیں۔

www.abulhasanalinadwi.org

الخلیل سے ہم بیت المقدس واپس ہوئے۔ ۴ر ۵ر ۶ر شوال کا کچھ وقت ہم نے مسجد اقصیٰ میں دوبارہ گزارا۔ بیت المقدس کے قابل زیارت مقامات اور تاریخی آثار کو شیخ الحرم کی معیت اور رہنمائی میں دیکھا، یہودیوں کی دیوار گریہ اور حضرت سلیمان علیہ السلام کا اصطبل دیکھا جو ایک عظیم الشان تہہ خانہ ہے، اس میں بہت بڑی تعداد میں اونچے اونچے ستون ہیں، اخوان المسلمین کے دفتر میں گئے جو مسجد اقصیٰ کے احاطہ میں ہے اور ان کے ارکان سے ملاقات کی۔

۵ر شوال کو ہم نے فلسطین کی ہیئت علمیہ اسلامیہ (سرکاری مجلس علماء[1] جو حکومت شرق اردن کے دینی شعبوں مدارس، اوقاف اور مساجد وغیرہ کی نگراں اور ذمہ دار ہے) کے ایک جلسہ میں شرکت کی، اس کے صدر شیخ محمد امین الشنقیطی سے جو ملک عبداللہ کے خاص معتمد اور وزیر دینیات ہیں ملاقات اور گفتگو کی، انھوں نے ارکان مجلس سے تعارف کرایا اور ان کی فرمائش سے میں نے ایک مختصر تقریر کی۔

۸ر شوال کو ہم عمان آئے، عصر کی نماز میں اچانک مجددی صاحب سے جو شاہ عبداللہ سے ملنے کے لئے آئے تھے ملاقات ہوگئی

(۱) اس مجلس کے اسوقت گیارہ ارکان تھے جو مملکت عربیہ ہاشمیہ کے ممتاز ترین علماء ہیں۔ اس مجلس کا سالانہ بجٹ جو ۵۲-۱۹۵۱ء کے لئے منظور کیا گیا تھا وہ ستر ہزار پانچسو چھیانوے روپیہ تھا۔



ہم اپنی قیام گاہ پر کھانا کھا رہے تھے کہ دفعتہً اطلاع ملی کہ بادشاہ نے ہم کو یاد کیا ہے اور اسی وقت طلب فرمایا ہے، غالباً مجددی صاحب نے ان سے ہماری آمد کا تذکرہ کیا اور انھوں نے اسی وقت بلا لیا۔ ہم وہاں پہنچے، ایک خیمہ میں جو محل کے سامنے نصب تھا، شاہ عبداللہ سے ملاقات ہوئی، مجددی صاحب نے تعارف کرایا۔ شیخ محمد امین الشنقیطی اور بعض اعیان سلطنت موجود تھے، کچھ دیر تک مجلسی گفتگو اور علمی و تاریخی مذاکرہ رہا۔ شاہ عبداللہ نے اپنی اس چھوٹی سی سلطنت کی تاریخ سنائی اور بتلایا کہ کس طرح اس شہر نے سات ہزار کی آبادی سے ترقی کی، یہاں تک کہ اب ایک پُر رونق اور آباد دار فلسطین کا ایک مرکزی شہر ہے، وہاں سے ہم لوگ اٹھ کر کھانے کی میز پر آئے اور گفتگو کا سلسلہ جاری رہا پھر قیام گاہ پر واپس آ گئے۔

عمان دو پہاڑوں کے درمیان ایک وادی میں واقع ہے پہاڑوں کے ڈھلوان پر دونوں طرف مکانات ہیں رات کو بجلی کی روشنی عجب بہار دیتی ہے بالکل یہ معلوم ہوتا ہو کہ ایک انار ہے جو دو ٹکڑے کر دیا گیا ہو فلسطینی مہاجرین کی بڑی تعداد یہاں مقیم ہے، فلسطین کے واقعہ کے بعد اس شہر نے تجارتی حیثیت سے بڑی ترقی کی ہے اب وہ آس پاس کے علاقہ کی بڑی منڈی ہے، بازار پر رونق اور یورپ و امریکہ کے مال تجارت سے

بھرے ہوئے ہیں بس سروس اور موٹر ٹیکسی کی سہولتیں موجود ہیں، یہاں سے دمشق تک ریلوے لائن بھی گئی ہے جو شمال میں دمشق اور جنوب میں مدینہ طیبہ پر ختم ہوتی ہے جس کو حجاز ریلوے کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

عمان میں دارالاخوان میں گفتگو کا موقع ملا، کلیۂ علمیہ اسلامیہ کی سیر کی جو ایک منظم اور جدید درسگاہ ہے اور ایک ہائی اسکول اور ایک کالج پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ ایک دینی مدرسہ بھی ہے

۹۔ شوال جمعہ کے دن ہم نے جامع مسجد میں نماز پڑھی، وہیں شاہ عبداللہ بھی فوجی دستہ کے ساتھ نماز پڑھنے آئے، نماز پڑھکر معلوم ہوا کہ ہم اپنے میزبان کے ساتھ آج شاہ عبداللہ کے یہاں کھانے پر مدعو ہیں، جامع مسجد سے انکے محل "قصر رغدان" گئے اور شہزادہ امیر نائف اور بعض دوسرے مہمانوں کے ساتھ کھانا کھایا، شاہ عبداللہ کھانے کے دوران میں علمی و دینی گفتگو کرتے جاتے تھے جس سے ان کا مطالعہ اور علمیت ظاہر ہوتی تھی ہم نے انکی خدمت میں پہلی ملاقات میں ایک کتاب پیش کی تھی، وہ اسوقت تک اُسپر نظر ڈال چکے تھے اور اسکے متعلق گفتگو کر رہے تھے، انکی زبان بہت شستہ اور فصیح ہے، زندگی سادہ اور طبیعت بے تکلف ہے، اسکا وہم و گمان بھی نہیں تھا کہ انکی حکومت اور زندگی کی مدت اتنی مختصر ہے کہ وہ صرف آٹھ دن کے مہمان ہیں، آٹھویں روز (۱۹۔ شوال سنہ ۱۳۷۰ھ ۲۰۔ جولائی سنہ ۱۹۵۱ء) جمعہ کے دن ہم نے دمشق میں اچانک سُنا کہ بیت المقدس کے اندر وہ شہید کر دئے گئے۔

# گہوارۂ اسلام میں

www.abulhasanalinadwi.org

لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ کچھ حجاز کی باتیں کرو، جو کچھ وہاں دیکھا ہے وہ ہمیں بھی دکھاؤ، مجھے یہ فرمائش بسر و چشم قبول ہے کہ ؎

ذکر حبیب کم نہیں وصل حبیب سے

مجھے وہ دن یاد نہیں جب کہ اور مدینہ کا نام میرے لئے نیا تھا اور وہ پہلا دن تھا جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے پیدائش اور اسلام کے گہوارے، رسول کے شہر دار الہجرت کے بارے میں کچھ سنا ہو۔

میں نے تمام مسلمان بچوں کی طرح ایک ایسے ماحول میں پرورش پائی جہاں حجاز اور ان دونوں متبرک شہروں کا تذکرہ ہوتا ہی رہتا ہے، مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ لوگ تیزی میں اکثر مکہ مدینہ کہتے تھے، گویا وہ ایک ہی شہر کا نام ہے۔ وہ لوگ جب بھی ان میں سے

www.abulhasanalinadwi.org

کسی شہر کا ذکر کرتے تو دوسرے کا بھی ضرور ذکر کرتے، انھیں باتوں سے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ دونوں ایک ہی شہر کے نام ہیں مجھے اس فرق کی تمیز اس وقت ہوئی جب میں کچھ بڑا ہوگیا اور مجھے کچھ عقل آگئی، اس وقت مجھے معلوم ہوا کہ دونوں الگ الگ مستقل شہر ہیں اور ان کی درمیانی مسافت کچھ کم نہیں ہے۔

میں نے بچپن میں جس طرح لوگوں کو جنت اور اسکی نعمتوں کا بڑے شوق سے ذکر کرتے ہوئے سُنا، اسی طرح حجاز اور اس کے دونوں شہروں کا تذکرہ بھی سنا تھا، جنت کو حاصل کرنے اور حجاز کو دیکھنے کی تمنا اُسی وقت سے میرے دل میں کروٹیں لینے لگی تھی۔

جب میں کچھ بڑا ہوا اور مجھے معلوم ہوا کہ جیتے جی جنت کو دیکھنا ممکن نہیں ہے، ہاں حجاز تک رسائی ممکن ہے، حجاج کے قافلے برابر آتے جاتے ہیں تو میں نے کہا کہ پھر ایمان کی اس جنت کی سیر کیوں نہ کی جائے، دن پر دن گزرتے گئے اور میں بڑھتا گیا، جب میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت مبارکہ اور تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو میرا پُرانا شوق تازہ ہوگیا، تھپکی دے دے کر سُلائی ہوئی تمنائیں جاگ گئیں اور میں دن و رات حج و زیارت کی تمنا میں رہنے لگا۔



پھر ایسا ہوا کہ میں اس جگہ آپہنچا جس کی زمین پر نہ تو سبزہ کا فرش ہے اور نہ اس کی گود میں ندیاں کھیلتی ہیں۔ اس کے چاروں طرف جلے ہوئے پہاڑ کھڑے چہرہ دے رہے ہیں۔ جب میں نے حُسن ظاہری سے خالی یہ سرزمین دیکھی تو میں نے اپنے دل میں کہا کہ یہ شہر مناظر سے کتنا تہی دست ہے ——— ! لیکن ساتھ ہی ساتھ میں نے یہ بھی سوچا کہ اس شہر نے انسانیت اور تمدن پر کتنا بڑا احسان کیا ہے، اگر یہ شہر جس کا دامن گلکاریوں سے خالی ہے روئے زمین پر نہ ہوتا تو دنیا ایک سونے کا پنجرا ہوتی اور انسان محض قیدی ! ——— یہی وہ شہر ہے جس نے انسان کو دنیا کی تنگنائے سے نکال کر وسعتوں سے آشنا کیا، انسانیت کو اسکی کھوئی ہوئی سرداری اور چھنی ہوئی آزادی دلائی، اسی شہر نے انسانیت پر لدے ہوئے بھاری بوجھوں کو اُتارا، اس کے طوق و سلاسل کو جُدا کیا جو ظالم بادشاہوں اور نادان قانون سازوں نے ڈال رکھے تھے۔

جس وقت میں نے یہ سوچا ——— اگر یہ شہر نہ ہوتا ———" اُسی وقت میرے دل میں یہ خیال آیا کہ میں دنیا کے بڑے بڑے شہروں کا اس شہر سے موازنہ کروں اور دیکھوں کہ اگر یہ شہر

www.abulhasanalinadwi.org

نہ ہوتے تو دنیا میں تمدن اور انسانیت میں کیا کمی ہوتی! ــــ میرے سامنے ایک ایک شہر آئے اور میں نے دیکھا کہ یہ تمام شہر صرف اپنے لئے اور مٹھی بھر انسانوں کے لئے زندہ اور آباد تھے، انھوں نے انسانیت کے سرمایہ میں کسی بڑی چیز کا اضافہ نہیں کیا، یہ مختلف زمانوں میں انسانیت اور تمدن کے مجرم رہے ہیں، اپنے ذرا سے فائدہ کے لئے بارہا ایک شہر نے سیکڑوں شہروں کو ہضم کر لیا۔ ایک قوم نے بہت سی قوموں کو اپنی خوراک بنا لیا۔ کتنی بار چند آدمیوں کی وجہ سے ہزاروں لاکھوں انسان برباد کر دیے گئے، یہ ایک حقیقت ہے کہ دنیا کے نقشہ پر اگر یہ شہر نہ ہوتے تو انسانیت و تمدن کا کچھ نہ بگڑتا اور دنیا میں کوئی بڑی کمی نہ ہوتی۔

لیکن اگر مکہ نہ ہوتا تو انسانیت ان معانی و حقائق، اخلاق و عقائد اور علوم و فضائل سے تہی دست ہوتی جو اس کا سب سے قیمتی سرمایہ اور اس کا سب سے بڑا حسن ہیں، اسی کی بدولت دنیا نے ایمان کی اس لازوال دولت کو پھر سے پایا جسے لوگ ضائع کر چکے تھے۔ عالم نے اس صحیح علم کو پایا جو ظن و تخمین کے پردوں میں چھپ چکا تھا۔ وہ عزت دنیا کو دوبارہ ملی جو سرکشوں اور ظالموں کے ہاتھوں پامال ہو چکی تھی ــــ سچ تو یہ ہے کہ یہاں انسانیت نے نیا جنم لیا اور تاریخ نے سرے سے ڈھل کر نکلی۔



لیکن مجھے ہوا کیا ہے جو میں کہتا ہوں "اگر مکہ نہ ہوتا.....

ــــ اگر مکہ نہ ہوتا تو کیا ہو جاتا؟ مکہ تو اپنے خشک پہاڑوں، ریتیلے ٹیلوں بلکہ خانۂ کعبہ اور زمزم کے متبرک کنویں کو اپنی گود میں لئے ہوئے چھٹی صدی مسیحی تک برابر سوتا رہا ہے اور انسانیت سسکتی اور دم توڑتی رہی ہے، لیکن اس نے مدد کا کوئی ہاتھ نہ بڑھایا ــــ مکہ اس وقت تک خشک پہاڑوں اور ریتیلے ٹیلوں سے گھرا ہوا، دنیا سے الگ تھلگ، اس طرح زندگی کے دن کاٹ رہا تھا، گویا یہ انسانیت کے خاندان سے نہ تھا۔ دنیا کے نقشہ سے الگ تھا۔

اس لئے مجھے یہ کہنا چاہیئے کہ مکہ نہیں بلکہ مکہ کا وہ عظیم الشان فرزند اگر نہ ہوتا جس نے تاریخ کے رُخ کو بدل دیا، زندگی کے دھارے کو موڑ دیا اور دنیا کو ایک نیا راستہ دکھایا تو دنیا کا نقشہ نہ ہوتا۔

یہ سوچتے سوچتے میری آنکھوں کے سامنے چند مناظر پھر گئے، مجھے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے قریش کا سردار تن تنہا خانۂ کعبہ کا طواف کر رہا ہے، لوگ اس کا مذاق اُڑا رہے ہیں۔ اس سے بدزبانی کر رہے ہیں لیکن وہ انتہائی اطمینان کے ساتھ طواف کر رہا ہے۔

جب وہ طواف ختم کرتا ہے تو خانۂ کعبہ میں داخل ہونا چاہتا ہے لیکن خانۂ کعبہ کے کلید بردار عثمان بن طلحہ اسے سختی سے

www.abulhasanalinadwi.org

روکتے ہیں، سردار صبر سے کام لیتا ہے اور کہتا ہے "عثمان! وہ دن بھی کیا ہوگا جب یہ کنجی میرے ہاتھ میں ہوگی اور میں جسے چاہوں گا اُسے دوں گا" ـــــ عثمان کہتے ہیں "ـــــ اس دن قریش ختم ہو چکے ہوں گے ـــــ!" وہ جواب دیتا ہے۔ "نہیں بلکہ اس دن انھیں حقیقی زندگی ملے گی"۔

پھر میں نے دیکھا کہ وہی سردار فتح مکہ کے دن خانہ کعبہ کا طواف کر رہا ہے، اس کے وہ ساتھی جنھوں نے اپنے کو اس پر قربان کر دیا تھا، اس کے ارد گرد پروانہ وار نثار ہو رہے ہیں، اس وقت وہ کعبہ کے کلید بردار کو بلاتا ہے اور کہتا ہے "عثمان! لو یہ تمھاری کنجی ہے، آج کا دن نیکی اور ایفائے عہد کا دن ہے"۔

تاریخ شاہد ہے کہ وہ شخص صرف اس کنجی کا مالک نہیں ہوا جس سے وہ خانۂ کعبہ کے دروازہ کو کھول سکتا تھا بلکہ اس کے پاس وہ کنجی بھی تھی جس سے وہ انسانیت کے ان تالوں کو بھی کھول سکتا تھا جو کسی حکیم اور فلسفی سے اس وقت تک نہیں کھل سکے تھے ـــــ یہ کنجی قرآن کریم ہے جو اس پر نازل کیا گیا ـــــ رسالت ہے جو اُسے سونپی گئی جو انسانیت کی ساری گتھیوں کو سلجھا سکتی ہے اور



ہر زمانہ کی مشکلات کا حل پیش کرتی ہے۔

حج کے بعد میں اپنے شوق کے پروں پر اڑتا ہوا مدینہ منورہ کی طرف چلا۔ محبت اور وفا کی کشش مجھے مدینہ منورہ کی طرف بیساختہ کھینچ رہی تھی، راستہ کی زحمتوں کو میں رحمت سمجھ رہا تھا اور میری نگاہ کے سامنے اس پہلے مسافر کا نقشہ گھوم رہا تھا جس کا ناقہ اسی راستہ سے گیا تھا اور اس نے اس راستہ کو اپنی برکتوں سے بھر دیا تھا۔

جب میں مدینہ منورہ پہنچا تو سب سے پہلے میں نے مسجد نبوی میں دو رکعت نماز ادا کی اور اس سعادت کے نصیب ہونے پر اللہ کا شکر ادا کیا، پھر میں آپ کے سامنے حاضر ہوا۔ میں آپؐ کے ان احسانات کے نیچے دبا ہوا تھا جن سے عہدہ برآ ہونے کی مجھ میں صلاحیت نہ تھی میں نے آپؐ پر درود وسلام پڑھا اور گواہی دی کہ بیشک آپ نے اللہ کا پیغام کما حقہ پہنچا دیا، اللہ تعالیٰ کی طرف سے سونپی ہوئی امانت کو پورا پورا ادا کر دیا۔ اُمت کو سیدھی راہ دکھائی اور اللہ کی راہ میں دم واپسیں تک پوری پوری کوشش کی۔ اس کے بعد میں نے آپ کے دونوں محترم دوستوں کو سلام کیا، یہ دونوں ایسے دوست ہیں جن سے بڑھ کر مصاحبت کا حق ادا کرنے والا تاریخ انسانی میں نظر نہیں آتا اور نہ کوئی

www.abulhasanalinadwi.org

ایسا جانشین دکھائی دیتا ہے جس نے ان سے زیادہ اچھی طرح جانشینی کے فرائض کو ادا کیا ہو۔

درود و سلام سے فارغ ہو کر میں جنت البقیع کی طرف گیا۔ یہ زمین کا ایک چھوٹا سا قطعہ ہے، جہاں صدق و صفا، مہر و وفا کا انمول خزانہ دفن ہے ؎

دفن ہوگا نہ کہیں ایسا خزانہ ہرگز

یہیں وہ لوگ سو رہے ہیں جنھوں نے آخرت کے لئے دنیا کی زندگی کو تج دیا۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنے یقین اور اپنے دین کی خاطر وطن پر غریب الوطنی کو ترجیح دی۔ انھوں نے رسول کے قدموں پر پڑے رہنے کے لئے رشتہ داروں اور دوست احباب کے پڑوس کو ہمیشہ کے لئے خیر باد کہا۔

| | |
|---|---|
| رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه۔ | بعض لوگ ایسے ہیں جنھوں نے اللہ سے جو عہد کیا اُسے سچ کر دکھایا۔ |

یہاں سے فارغ ہو کر میں اُحد کی طرف گیا۔ اُحد وہ پاک اور دلکش سرزمین ہے جہاں محبت اور وفاداری کا سب سے دل کش منظر دیکھنے میں آیا، اسی میدان میں انسانی تاریخ نے ایمان و



یقین کو جیتے جاگتے کرداروں کی شکل میں دیکھا، یہیں سے بہادری اور شجاعت کے الفاظ لغت کو میسر ہوئے، اسی خطے نے پاک محبت اور اور دوستی کا نمونہ دنیا کو دکھایا، یہاں پہنچ کر مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میں انس بن نضر رضی اللہ عنہ کو یہ کہتے ہوئے سن رہا ہوں "—— میں اُحد کے اس پار سے جنت کی خوشبو سونگھ رہا ہوں ——" مجھے کچھ ایسا محسوس ہوا جیسے سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر شہادت سن کر کہہ رہے ہوں "—— اب آپ کے بلند جنگ و جہاد کا کیا لطف ——" اور انسؓ بول اُٹھے ہوں "—— لیکن آپ کے بعد زندگی کا بھی کیا مزا ——!"

اسی اُحد پہاڑ کی گود میں حضرت ابو دجانہؓ نے اپنی پشت کو آنحضرت صلعم کی ڈھال بنا دی تھی۔ تیر ابو دجانہ کی پشت کو چھید رہے تھے لیکن انھیں جنبش بھی نہ ہوتی تھی، اسی جگہ حضرت طلحہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر برسنے والے تیروں کو اس طرح اپنے ہاتھ پر لیا کہ ہاتھ شل ہو کر رہ گیا۔ اسی میدان میں حضرت حمزہؓ شہید ہوئے اور ان کے ٹکڑے کر دئے گئے۔ مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ جو قریش کے بڑے ناز پروردہ نوجوان تھے اسی جگہ اس حالت میں شہید ہوئے کہ ان کیلئے کفن بھی میسر نہ تھا۔ ایک کمبل تھا جس سے اگر سر چھپایا جاتا تو پیر

www.abulhasanalinadwi.org

کھل جاتے، پیر ڈھلنے کے جاتے تو سرنگا ہو جاتا۔

اے کاش، اے خدا دنیا والوں کو اپنے اس محبت کے خزانہ سے کچھ دیدیتا اور کاش آج دنیا کو اس پچھلے ایمان اور یقین کا کوئی ذرہ بھی نصیب ہو جاتا اگر ایسا ہو جائے تو اس دنیا کی قسمت بدل جائے اور یہ دنیا جنت بن جائے۔

لوگوں نے مجھ سے کہا تم نے ہمیں قاہرہ کی سیر کرائی اور وہاں کی اہم شخصیتوں سے تعارف کرایا، تم نے دمشق اور اہل دمشق کی باتیں سنائیں، اور وہاں کے ادباء و علماء سے ملایا، تم ہمیں مشرق اوسط لے گئے اور وہاں کی سیر کرائی، اب حجاز اور حجاز کی نمایاں شخصیتوں کا بھی تعارف کراؤ — لیکن میں کیا کروں، حجاز کی تو ایک ہی ہستی ہے جس کی باتیں کئے جائیے جس کی وجہ سے حجاز حجاز ہے اور عالم اسلام، عالم اسلام ہے ع

آبروئے ما ز نام مصطفےٰ است

سورج کے سامنے ستاروں اور چراغوں اور اس کی روشنی سے روشن ہونے والے ذروں کا کیا ذکر! بس یہی حجاز کی کہانی ہے اور یہی حجاز کا تعارف!

www.abulhasanalinadwi.org